ماہنامہ

قلندر شعور

مارچ ۲۰۲۲ء

سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں مِلتا

امّی حضور رحمۃ اللہ علیہا

صفحہ نمبر : 25

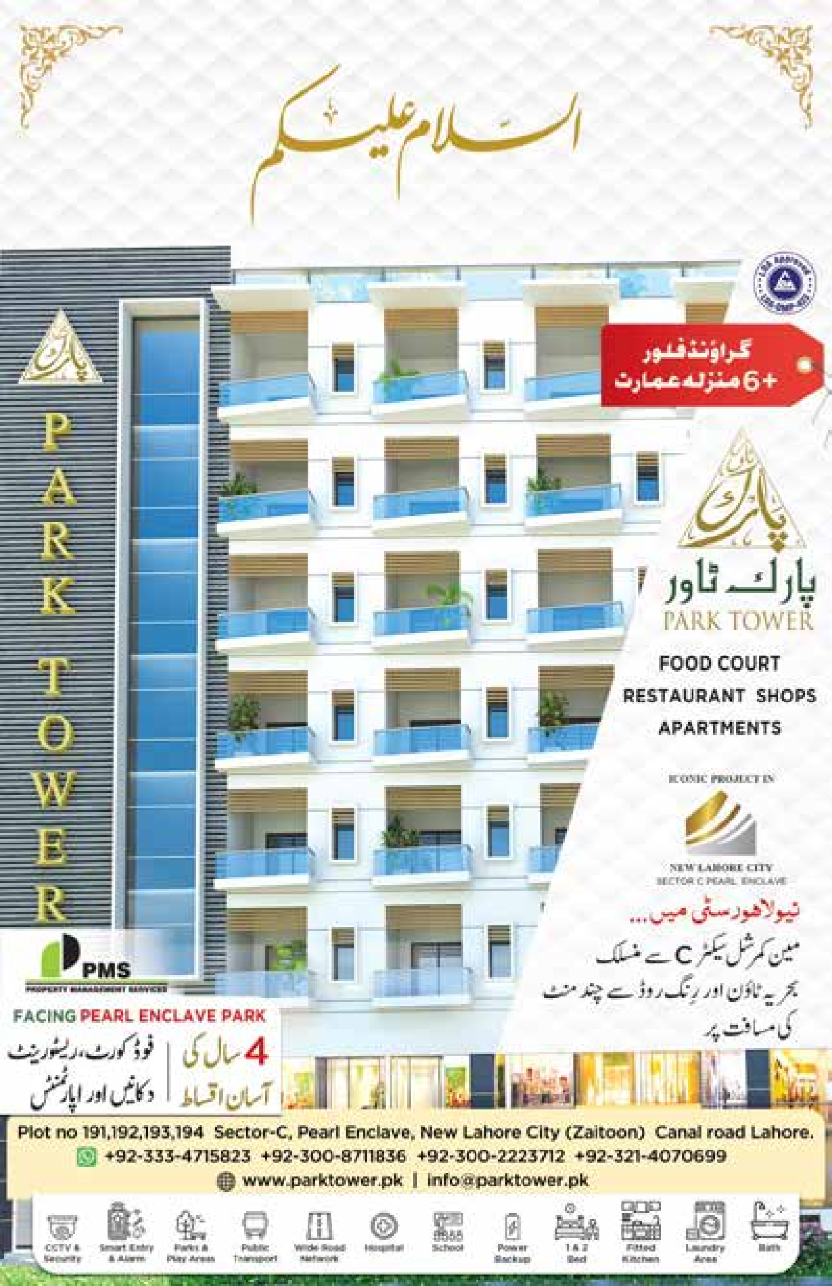

السلام علیکم
گراؤنڈ فلور
+6 منزلہ عمارت
PARK TOWER
پارک ٹاور
PARK TOWER
FOOD COURT
RESTAURANT SHOPS
APARTMENTS
ICONIC PROJECT IN
NEW LAHORE CITY
SECTOR C PEARL ENCLAVE
نیو لاہور سٹی میں...
مین کمرشل سیکٹر C سے منسلک
بحریہ ٹاؤن اور رنگ روڈ سے چند منٹ
کی مسافت پر
PMS
PROPERTY MANAGEMENT SERVICES
FACING PEARL ENCLAVE PARK
4 سال کی
آسان اقساط
فوڈ کورٹ، ریسٹورینٹ
دکانیں اور اپارٹمنٹس
Plot no 191,192,193,194 Sector-C, Pearl Enclave, New Lahore City (Zaitoon) Canal road Lahore.
+92-333-4715823 +92-300-8711836 +92-300-2223712 +92-321-4070699
www.parktower.pk | info@parktower.pk
CCTV & Security
Smart Entry & Alarm
Parks & Play Areas
Public Transport
Wide Road Network
Hospital
School
Power Backup
1 & 2 Bed
Fitted Kitchen
Laundry Area
Bath

زیرِ سرپرستی
اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

فری ممبر شپ

عظیمیہ روحانی لائبریری جنڈ، اٹک

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ و طالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب روزانہ

حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

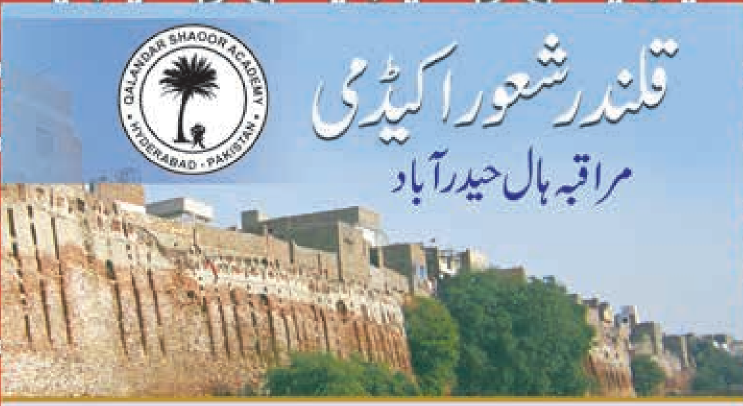

زیر سرپرستی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت
اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو متحرک کرسکتے ہیں۔

روحانی علوم کے متلاشی، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں
دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات کے لئے خوش خبری

گلشن شہباز، نزد ٹول پلازہ، جامشورو حیدرآباد، 71000 ، پاکستان

فون نمبر: 0331-3615533 ، 0333-2695331

DEFENCE
3D - OPG - CEPH

3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM

KARACHI

3D

Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.

Maxillofacial

Implant Planning

OPG

CEPH

Take Your Practice to the Next Level !

Defence branch:
0213-8941506 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

Sharfabad branch:
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk Web: www.3d-diagnostic.pk

The Secret of a Beautiful Smile

DENTAL innovations Clinic

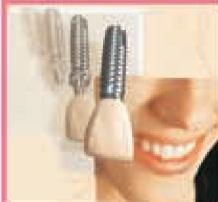

Dental Implants

Aesthetic Dentistry

Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry

Crown & Bridge, Root Canal Treatment

Orthodontics

Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

General Dentistry

Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry

Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

Minor Oral Surgery

Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

Pediatric Dentistry

Space Maintainers, Steel Crowns

LAHORE

LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

QUETTA

Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

جلد 10 شمارہ 2 | مارچ 2022ء | رجب ـ شعبان 1443ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

قلندر شعور کراچی

Neutral Thinking

(اردو ـ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 100روپے.....سالانہ ہدیہ 1490روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 70امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۳۱ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ______ قمر آسی 10

نعت رسول مقبول ﷺ ______ عبدالہادی خاں کاوش 11

رباعیات ______ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ 12

آج کی بات ______ مدیر مسئول 14

فقیر کی ڈاک ______ ادارہ 18

نامے میرے نام ______ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 21

امی حضور رحمۃ اللہ علیہا ______ گلِ نسرین 25

میں کون ہوں ــــ ؟ ______ (M.Phil. Supply Chain) بلال حسن 31

کروٹ کروٹ بے قراری ______ ادارہ 37

مسائل اور پیرا سائیکالوجی ______ خواجہ شمس الدین عظیمی 41

عورت اور حقِ وراثت ______ (ایڈوکیٹ) عابدہ بلال 45

فاصلے جیتے اور مرتے ہیں ______ (Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر 49

کٹھ پتلی تماشہ ______ عابد محمود 55

ساکن تالاب ــــ ؟ ______ عبداللہ 61

کالی بلّی ــــ کالا بکرا ______ نفیسہ شاکر 67

خیال کو گزرنے دو ______ فلک ناز 75

کِس نے کہا۔ سنا کِس نے ______ عرفانہ شہزاد 79

اختلاف کی اہمیت ______ اظہر حسین 85

یہ نغمہ فصلِ گُل و لالہ کا نہیں پابند ______ ملک محمد ناصر 91

پتھر کا زمانہ ہے پتھر میں اسیر ______ (M.Sc. Botany) خالدہ زبیر 97

عنوان آپ لکھیں ______ (متحدہ عرب امارات) بی بی انور رادھا 101

صحرائی فریج ______ نیّر اعظم 109

اقتباسات ______ خواتین و حضرات 113

مرغ و ماہی ______ یوسف ناظم 115

اسٹور روم ______ آسیہ روبی 119

جنوری 2022ء کے سرورق کی تشریح ______ قارئین 125

پورب کے ہم زاد ______ (M.Sc. Applied Physics) محمد عدنان خان 129

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ______ عظیمی خواجہ شمس الدین 135

146 Abid Mehmood ______ Karachi is a City with Motherly Qualities

152 Ahsan Nadeem ______ Sultan al-Mashaikh Mehboob-e-Elahi (RA)

156 K. S. Azeemi ______ Message of the Day

حمد باری تعالیٰ

قمر آسیؔ

میں حمدِ باری کروں تو کیسے ثناء کے قابل زباں نہیں ہے
لبوں پہ میرے ہیں لفظ لیکن خیال عالی بیاں نہیں ہے

ہر ایک شے میں تری نمو ہے، جدھر بھی دیکھوں بس ایک تو ہے
جہاں میں ہر سو ترے ہی جلوے، نہیں وہ جا تو جہاں نہیں ہے

ترا ہی حامد ہر اک شجر ہے، ترا ہی ذاکر حجر حجر ہے
ہے وصف تیرا ہی سب گلوں میں مگر تو پھر بھی عیاں نہیں ہے

فلک پہ جتنے ہیں چاند تارے، ہیں تیری قدرت کے یہ اشارے
تری خدائی کی حد نہیں ہے، مرے خدا تو کہاں نہیں ہے

یہ بادلوں سے برستا پانی، یہ رات دن کی عجب کہانی
یہ سب تری ہی عنایتیں ہیں اور اس قدر کہ گماں نہیں ہے

زمیں کے اندر بھی تیری خلقت، زمیں کے باہر تری حکومت
مکینِ قلبِ سلیم ہے تو، مکیں ہے لیکن مکاں نہیں ہے

کرم یہ ہم پر کیا ہے تو نے، حبیبؐ اپنا دیا ہے تو نے
نوازشیں تیری کیا بیاں ہوں کہ اتنی عمرِ رواں نہیں ہے

الٰہی مجھ کو جنوں عطا کر، دے فقر، سوزِ دروں عطا کر
عطا ہو چشمِ رواں بھی مجھ کو، نہ ہو جو لب پر فغاں نہیں ہے

رحیم بھی تو، کریم بھی تو، رؤف بھی تو ، علیم بھی تو
ہے قلبِ آسیؔ سے تو ہی واقف کہ تجھ سے کچھ بھی نہاں نہیں ہے

نعت رسول مقبول ﷺ

عبدالہادی خاں کاوشؔ

ضیائے نورِ یزداں، مہبطِ روح الامیں تم ہو
نبوت کے چراغ آخری اے شاہِ دیںؐ تم ہو

خدائے پاک نے تم کو نرالی شان بخشی ہے
وہ رب العالمیں ہے رحمۃ للعالمیںؐ تم ہو

تمہاری سیرت و صورت کی ہوتی ہے ثنا خوانی
ہوا جس سے نمایاں حسنِ عالم وہ حسیں تم ہو

ہے چرچہ سارے عالم میں تمہاری حسنِ سیرت کا
تھے قائل جس کے دشمن بھی وہ صادق وہ امیں تم ہو

زمانے کو دیا درسِ اخوت، درسِ ایمانی
بنی آدم کے رہبر صاحبِ دینِ متیں تم ہو

تمہاری اک نظر سے مل گئی ذرّوں کو تابانی
ہوا روشن جہاں جس سے وہ خورشیدِ مبیں تم ہو

بلا لیتے مجھے بھی اب مدینہ اے مرے آقاؐ
یہ کیسا عشق ہے اپنا، کہیں میں ہوں، کہیں تم ہو

خیال آخرت اس کو ستائے کیوں مرے آقاؐ
اگر کاوشؔ ہے مذنب تو شفیع المذنبیں تم ہو

ہر لمحہ بدلتا ہے جہاں کا منظر

خانے جو دماغ کے ہیں خالی ہیں سب
چیزیں جو نظر آتی ہیں جعلی ہیں سب
ہر لمحہ بدلتا ہے جہاں کا منظر
نظارے بھی آنکھوں کے خیالی ہیں سب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا ہے۔ اصل زندگی
تو دارآخرت ہے، کاش یہ لوگ جانتے۔“ (العنکبوت:۶۴)

کائنات اول روز سے ایک میکانزم پر قائم ہے کہ یہاں ہر شے غیب سے ظاہر ہوتی ہے اور غیب میں چھپ جاتی ہے۔ غیب ــــ ظاہر ــــ غیب اس بات کی نشان دہی ہے کہ زندگی اس عالم میں نہیں، دوسرے عالم میں ہے اور وہاں سے یہاں اور یہاں سے وہاں منتقل ہورہی ہے۔ فرد نشوونما کے مراحل پر غور نہیں کرتا اس لئے غیب اور ظاہر ہونے کی حقیقت پردہ میں ہے۔ چھپنے اور ظاہر ہونے کے عمل پر قائم زندگی متوجہ کرتی ہے کہ فرد کہیں سے مسلسل آرہا ہے اور مظاہرہ کے بعد واپس جارہا ہے یعنی وہ اس دنیا کا مکین نہیں ــــ یہاں صرف اس کا مظاہرہ ہے۔

مظاہرے کی ابتدا خیال سے ہوتی ہے۔ خیال درجہ بدرجہ گہرا ہونے سے تصویر واضح ہوتی ہے اور مظاہرے کے بعد غائب ہوجاتی ہے۔ دنیا کی رونق ایک اطلاع ہے جس کا مظاہرہ غیب ظاہر غیب پر ہے۔ اس سارے عمل میں دماغ کا کردار اسکرین کا ہے۔ خیال نہ آئے ــــ دماغ کے خانے خالی ہیں۔

خیال تصویر ہے اور تصویر اصل کی نقل ہے۔ نقل کو اصل سمجھنا ــــ الوژن ہے جس سے ”گمان“ نگاہ بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں گمان کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ تم گمان کی وجہ سے پہاڑ کو جامد قیاس کرتے ہو، پہاڑ جمے ہوئے نہیں بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ کائنات میں موجود ہر شے اپنی اصل کا تعارف ہے اور تعارف غیب ہے۔ تفکر سے بندہ واقف ہوجاتا ہے کہ چیزیں اپنی اصل کا عکس ہیں۔ مناظر شعور کی بنائی ہوئی مختلف تصویریں ہیں اور دیکھنے کی یہ طرز مفروضہ ہے اس لئے شعور کے مشاہدات و تجربات مفروضہ ہیں۔ مادی نگاہ مظاہر میں تغیر دیکھتی ہے۔ آبادی ویرانہ میں اور ویرانہ آبادی میں بدل جاتا ہے۔ پچاس سال کی عمر میں داخل ہونے والا شخص وہی ہے جو پہلے ایک دن کا بچہ تھا لیکن تغیر کے سبب شباہت تبدیل ہوگئی اور صرف نام پہچان بن گیا۔ نام بھی تعارف کے لئے ایک تصویر ہے جس کو سن کر ذہن میں متعلقہ فرد کا عکس بن جاتا ہے۔ درحقیقت فرد کیا ہے اور کون ہے، ہم نہیں جانتے۔

آج کی بات

آدم وحوا کا پہلا مسکن جنت ایسی اسپیس پر آباد ہے جہاں عالی شان محلات، نہریں، مرغزار ___ نیلے پیلے، اودے پیرہن سے آراستہ پھولوں کے تختے ___ خوب صورت باغات ___ پھل دار اور سایہ دار درخت ہیں۔ پانی سے اُبلتے فوارے، کِل کِل کرتے جھرنے اور آبشاریں، دریا، بوستان و نخلستان ہیں۔ یہ سب چیزیں ہماری زمین پر بھی موجود ہیں۔

زمین ایک اسپیس ہے۔ اسپیس کا مطلب بہت بڑی جگہ کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل کر دینا ہے۔ زمین کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس سے کوئی ملک یا کسی ملک کے کئی شہر مراد نہیں ہوتے۔ زمین سے مراد ہے ___ اتنا بڑا رقبہ جو اعداد و شمار میں نہ آئے۔ کہا جاتا ہے کہ ہماری زمین تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے۔ زمین کے اوپر کڑوں یا چھلوں کی شکل میں پہاڑ ایستادہ ہیں اور ان پہاڑوں کے درمیان خالی جگہ شہر اور ملک میں تقسیم ہے۔ زمین کا رقبہ جو کچھ بتایا جاتا ہے وہ محض قیاس ہے، پورا ناپ تول ممکن نہیں ہوا۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی ایسے علاقے ہیں جو دریافت نہیں ہوئے۔

سمجھا یہ جاتا ہے کہ زمین واحد سیارہ ہے جس پر زندگی کے آثار نظر آتے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے۔ ہر سیارے پر آبادیاں ہیں ___ چاند، سورج، ستارے اور کہکشائیں نظر آتی ہیں۔ زمین پر حیات و ممات کا سلسلہ ہے، عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں، کھیتی باڑی ہوتی ہے، فیکٹریاں لگتی ہیں، ہوائی جہاز اڑتے ہیں، بڑے بڑے پانی کے جہاز اور بادبانی کشتیاں سمندر کی منہ زور لہروں کا مقابلہ کر کے سفر کرتی ہیں ___ دوسرے سیاروں میں بھی یہ سب ہو رہا ہے۔

زمین پر کوئی ایک شے ایسی نہیں جو بے رنگ ہو۔ کھیت کھلیانوں میں رنگ ہیں۔ پھول پھلواری اور درخت کے سراپے پر نظر ڈالئے۔ جڑوں کا رنگ الگ ہے، تنے کا رنگ الگ ہے، لباس کا رنگ الگ ہے، لباس سے مراد درخت کی چھال ہے، پتّوں کا رنگ الگ ہے، پھولوں کا رنگ منفرد ہے اور درخت میں لگنے والے پھل بھی بے رنگ نہیں۔ یہ رنگینی illusion ہے۔

زمین پر تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار نوعیں آباد ہیں۔ ہر نوع میں کم سے کم دو سو مخلوقات شمار کی جاسکتی ہیں ـــ کتنی زیادہ ہوسکتی ہیں؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔

مچھلی ایک نوع ہے۔ بہت بڑے aquarium کے اندر رنگ برنگ مچھلیوں میں کوئی سرخ ہے، کوئی جامنی ہے، کوئی ٹرانسپیرنٹ ہے، کوئی چھوٹی ہے، کوئی بہت بڑی ہے۔ کوئی مچھلی اتنی بڑی ہے کہ کئی ہزار مچھلیاں اس کا ایک لقمہ بن جاتی ہیں۔ یہی مثال درختوں، پرندوں اور چوپایوں کے اوپر صادق آتی ہے۔

زمین بھی تخت (طبقات) کی طرح ہے اور اس میں آبادیاں ہیں۔ تخلیقی قوانین کے مطابق ہماری زمین دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جس پر آدم زاد چلتا پھرتا، سوتا جاگتا اور کھاتا پیتا ہے۔ دوسرا حصہ خلا میں واقع ہے اور یہ ہماری زمین کی طرح ہے۔ زمین سے دو سو میل اوپر جنات کی آبادیاں ہیں جہاں افزائشِ نسل کا سلسلہ قائم ہے، لہلہاتے کھیت ہیں، باغات ہیں، جمادات، نباتات، معدنیات، دریا، سمندر سب ہیں۔ جنات کھاتے پیتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں۔ ان کے یہاں ایجادات و ترقی کا گراف آدمیوں کی ترقی سے زیادہ ہے۔

• • ———————— • •

بات یہ ہے کہ آدم و حوا کا پہلا مسکن جنت تھا ـــ اور اب بھی ہے۔

باشعور انسان اسے کہتے ہیں جو گردونواح کی صورتِ حال اور اندر کی دنیا سے باخبر ہو۔

فکر طلب یہ ہے ــــ آدم و حوا جب جنت میں رہتے تھے تو ان میں کون سا شعور کام کرتا تھا؟ ہم جنت کے شعور کو رد نہیں کر سکتے۔ جنت ایک لامحدود رقبہ ہے۔ علمِ الٰہی سے منکشف ہوتا ہے کہ وہاں باغات ہیں، انار اور کھجور کے درخت ہیں، انگور کی بیلیں ہیں، جھولے ہیں، خوش نما قطار در قطار درخت ہیں، پھولوں کے تختے ہیں، ایسے پھول جن میں کئی کئی رنگوں کی آمیزش ہے۔ ہوا چلتی ہے تو ساز بجتے ہیں۔ پھول ہلتے ہیں تو جل بجھ روشنیوں کا ادراک ہوتا ہے۔ خوش بو کا یہ عالم ہے کہ فضا میں سے پھولوں کی مہک گھونٹ گھونٹ اندر اتر جاتی ہے۔ پانی دودھ جیسا سفید اور میٹھا ہوتا ہے۔ شہد کا سنہری رنگ اور ذائقہ ہماری زمین کے شہد سے ہزار گنا افضل ہے۔ جب قطار در قطار درخت انار، کھجور اور انگور کا تذکرہ آتا ہے تو شعور ایک قدم آگے نہیں بڑھتا لیکن وہ یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ جنت میں حواس اور شعور دونوں موجود ہیں پھر جنت کے شعور سے آدم و حوا کو عارضی محرومی کیوں ہوئی؟

کسی پر انعام و اکرام کیا جاتا ہے تو وہ انعام و اکرام کرنے والی ہستی کا شکر گزار ہوتا ہے، اس کے احکامات کی تعمیل کرتا ہے، جو ضابطے اس نے متعین کر دیئے ہیں ان کی خلاف ورزی نہیں کرتا ــــ جنت میں ایسا نہیں ہو سکا۔ آدم و حوا کے لئے جو احکامات صادر ہوئے تھے، ان پر عمل درآمد نہیں ہوا۔ بنیادی حکم یقین کا حصول تھا۔ یہ بات ذہن نشین کر دی گئی تھی کہ اگر تعمیلِ حکم سے انحراف ہوا تو جنت کے شعور پر پردہ آ جائے گا۔ جیسے ہی جنت کے شعور پر پردہ آیا ــــ محدود شعور کا غلبہ ہو گیا۔

محدود شعور کا مطلب احساسِ محرومی، اضطراب، گھٹن اور پچھتاوا ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے اگر آدم و حوا کی اولاد زمین کے محدود شعور سے نکل کر جنت کے لامحدود شعور میں داخل ہو جائے تو یہ دنیا اس کے لئے جنت ہے۔ جتنی دیر اس دنیا میں قیام رہے گا،

جنت کی کیفیات اس کے اوپر غالب رہیں گی ــــ اور جب اس دنیا کا سفر ختم ہوگا تو جنت کا ابدی سکون اسے حاصل ہوجائے گا۔

• • ———————————— • •

صد احترام اساتذہ کرام ــــ آپ نے ''آج کی بات'' پڑھی۔ رنگین نقشے ذہن نشین ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو کچھ زمین میں ہے، مختلف رنگوں کا مظاہرہ ہے۔

''اور یہ جو بہت سی رنگ رنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں، ان میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔'' (النحل : ۱۳)

میں فقیر عاجز بندہ چاہتا ہوں کہ آپ جنت اور زمین کے شعور پر غور کریں۔ رنگ سے مراد نگاہ کا اصل سے دور ہونا ہے اور اصل بے رنگ ہے۔ زمین پر ہر شے رنگین خول میں بند ہے اور ہر رنگ دوسرے رنگ سے مختلف ہے۔ رنگوں کے اختلاف کی وجہ سے شعور ہر شے کو دوسری شے سمجھتا ہے جب کہ رنگ جس شے پر چڑھے ہوئے ہیں، وہ محض زمین ہے۔ یعنی زمین سے پیدا ہونے والی ساری اشیا رنگین خول کی وجہ سے الگ الگ نظر آتی ہیں مگر باطن میں سب زمین ہیں۔ رنگوں کے فریب نے آدمی کو اصل سے دور کر دیا ہے۔

فریب آدمی روٹی کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ پیٹ بھر گیا۔ چند گھنٹوں بعد بھوک کا تقاضا دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ جب روٹی کھالی اور پیٹ بھر گیا تو دوبارہ بھوک کیوں لگی اور جو روٹی کھائی تھی، وہ کہاں گئی ــــ؟ سوال یہ ہے کہ آدمی نے کیا چیز کھائی ــــ؟

میں فقیر یہ چاہتا ہوں کہ اساتذہ کرام اس مسئلے کو حل کریں تاکہ زمین کے پُر فریب شعور سے نکلنے اور جنت کے شعور میں داخل ہونے کا راستہ ملے۔

اللہ حافظ

فقیر کی ڈاک

تفکر — ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ تفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی — عرفانِ نفس اور معرفتِ الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب شعور کے تانے بانے کو لاشعور سے جوڑ دیتے ہیں۔

محترم عظیمی صاحب — السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

اللہ کے نیک بندوں سے مل کر خوشی ہوتی ہے، دل میں سکون اور اطمینان کی لہریں دَور کرتی ہیں۔ ان کی پیشانی روشن اور چہرے معصوم بچوں کی طرح ہیں۔ نفسا نفسی اور ذہنی انتشار کے اس دور میں ان کے چہرے شاداب رہتے ہیں، دل خوف اور غم سے آزاد ہوتے ہیں جب کہ دنیا کی ساری ضروریات ان خواتین و حضرات کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہیں، ان کے بچے ہوتے ہیں، گھر کے اخراجات اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری ان کے اوپر بھی ہوتی ہے۔

عام آدمی ان خواتین و حضرات کی طرح خوش کیوں نہیں رہتا—؟ ہماری زندگی میں سکون کیوں نہیں ہے—؟ ہم اندر سے ٹوٹے پھوٹے اور بیمار کیوں نظر آتے ہیں؟

شکریہ، محمد آصف (پشاور)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

پیغمبروں کی ساری زندگی اس عمل سے عبارت ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے اندر استغفار کی طرز فکر راسخ ہوتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اس

طرز فکر کو حاصل کرنے کا اہتمام اس طرح کرتے تھے کہ وہ کسی چیز کے متعلق سوچتے تو اس چیز کے اور اپنے درمیان کوئی رشتہ براہِ راست قائم نہیں کرتے تھے۔ ان کی طرز فکر ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ ہے۔ اس طرز فکر سے کسی چیز کی طرف خیال جانے سے پہلے ذہن اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور عادتاً یہ احساس ہوتا ہے کہ اس چیز کا اور ہمارا واسطہ اللہ کی وجہ سے ہے۔ اس طرز عمل میں ذہن کی ہر حرکت کے ساتھ اللہ کا احساس قائم ہو جاتا ہے۔

وہ لوگ جن کے اندر اللہ کی ذات کے ساتھ وابستگی ہے، وہ اس بات کا عرفان رکھتے ہیں کہ ہر عمل پر اللہ محیط ہے۔ اس بات کو تمام آسمانی کتابوں نے بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آسمانی کتابیں بتاتی ہیں کہ آسمان اور زمین جس بساط پر قائم ہیں، وہ روشنی ہے جو ہر لمحہ، ہر آن کائنات کی ہر چیز کو اللہ کے ساتھ وابستہ کئے ہوئے ہے۔ مستغنی بندے کی نظر جب اس دائرے یا روشنی کے ہالے پر ٹھہرتی ہے تو اس کی نظروں کے سامنے وہ فارمولے آجاتے ہیں جن فارمولوں سے تخلیق عمل میں آتی ہے۔

جب تک آدمی کے یقین میں یہ بات رہتی ہے کہ چیزوں کا موجود ہونا یا چیزوں کا عدم میں چلے جانا اللہ کی طرف سے ہے — اس وقت تک ذہن کی مرکزیت اللہ کی ذات وصفات پر قائم رہتی ہے اور جب یہ یقین غیر مستحکم ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ ذہنی انتشار ہوتا ہے، پریشانی ہوتی ہے، غم اور خوف ہوتا ہے حالاں کہ یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ انسان کا ہر عمل — ہر فعل اور ہر حرکت کسی ایسی ہستی کے تابع ہے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔

ماں کے پیٹ میں نو مہینے تک بچے کا قیام، نشو و نما کے لئے غذا کی فراہمی، پیدا ہونے سے پہلے ماں کے سینے میں دودھ، دودھ کی غذائیت، اعتدال اور توازن کے ساتھ بچے کا بڑھنا، چھوٹے سے بچے کا بڑھ کر پانچ چھ فٹ ہو جانا، جوانی کے تقاضے، ان تقاضوں کی تکمیل کے لئے وسائل کی فراہمی، وسائل فراہم ہونے سے پہلے وسائل کی موجودگی — اگر اللہ زمین کو منع کر دے کہ وہ کھیتیاں نہ اگائے تو حصولِ رزق معدوم ہو جائے گا۔ شادی کے بعد بیوی اور شوہر کے دل میں یہ تقاضا کہ ہمارا کوئی نام لینے والا ہو اور اس تقاضے میں انتہائی درجے شدت اور اس کے نتیجے میں ماں باپ بننا۔ اولاد کی پرورش کے لئے ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت پیدا ہونا — اگر اللہ والدین کے دل میں اولاد کی محبت نہ ڈالے تو

اولاد کی پرورش نہیں ہو سکتی۔

اولاد کی پرورش کے لئے ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت صرف آدم زاد کے لئے مخصوص نہیں بلکہ یہ جذبہ اللہ کی ہر مخلوق میں مشترک ہے اور اسی محبت کے سہارے ماں باپ اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ روحانیت بتاتی ہے کہ اگر انسان کے اندر استغنا ہے تو وہ نئی نئی بیماریوں، نئی نئی مصیبتوں اور نت نئی پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ استغنا حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان کی سوچ اور انسان کی طرز فکر، اس طرز فکر سے ہم رشتہ ہو جائے جو اللہ کی طرز فکر ہے۔

اللہ کی طرز فکر یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے اور اس خدمت کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بندہ جب اختیاری طور پر اس طرز فکر کو اختیار کر لیتا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کی مخلوق کے کام آئے گا تو اسے آزاد شعور منتقل ہو جاتا ہے اور وہ ہر آن ہر لمحہ اس طرف متوجہ رہتا ہے کہ میں وہ کام کر رہا ہوں جو اللہ کے لئے پسندیدہ ہے۔ بار بار اس کے مشاہدات میں ایسے واقعات آتے ہیں کہ وہ جان لیتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ ہو چکا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے— وہ سب اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ یہی طرزِ تفہیم استغنا ہے۔ جس بندے کے اندر اللہ کے ساتھ وابستگی ہو جاتی ہے، اس کے اوپر سے غم اور خوف کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔

دعاگو، عظیمی

لطیفہ نفسی ایک چراغ ہے جس میں سے روشنی نکل رہی ہے۔ چراغ کی اس روشنی یا لَو کا نام نگاہ ہے۔ چراغ کی لَو ہوتی ہے۔ جہاں لَو ہو گی وہاں کا ماحول روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ جہاں تک لَو کی روشنی پڑتی ہے، یہ خود کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ چراغ کی لَو میں بے شمار رنگ ہیں۔ جتنے رنگ ہیں، اتنی ہی کائنات میں رنگینیاں ہیں۔ چراغ کی لَو کی روشنی ہلکی، مدھم، تیز اور بہت تیز ہوتی رہتی ہے۔ جن چیزوں پر روشنی بہت ہلکی پڑتی ہے، ان چیزوں سے متعلق ہمارے ذہن میں توہم پیدا ہوتا ہے اور جن چیزوں پر روشنی ہلکی پڑتی ہے ان چیزوں سے متعلق ہمارے دماغ میں خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور جن چیزوں پر لَو کی روشنی تیز پڑتی ہے، ان چیزوں کا ہمارے ذہن میں تصور بنتا ہے اور جن چیزوں پر لَو کی روشنی بہت تیز پڑتی ہے، ہماری نگاہ ان کو دیکھ لیتی ہے۔ (کتاب: شرح لوح و قلم)

نامے میرے نام

”ماہنامہ قلندر شعور“ نے قارئین خواتین و حضرات کو رسالے کے پلیٹ فارم سے تفکر کی دعوت دی ہے۔ رابطے کے قدیم و جدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔ ادارہ ”ماہنامہ قلندر شعور“ کا قارئین کے تفکر سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

جنوری 2022ء میں ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی تحریر پر موصول تفکر نامے میں سے منتخب خطوط:

محمد صدیق (برطانیہ): اسپیس میں ڈائی مینشن ہیں مگر یہ اللہ کی صناعی ہے کہ ان ڈائی مینشن میں کوئی سمت نہیں ہے۔ سمتیں prism کی وجہ سے نظر آتی ہیں۔ پرزم کا کام یہ ہے کہ وہ روشنی میں موجود مقداروں کو الگ الگ کرکے دکھاتا ہے حالاں کہ یہ ساری مقداریں پرزم سے گزرنے سے پہلے یکجا ہوتی ہیں۔ یکجائیت اس جانب اشارہ ہے کہ ان مقداروں میں قدرِ مشترک ہے۔ جب روشنی پرزم سے گزرتی ہے تو نگاہ رنگوں کی تقسیم میں الجھ کر قدرِ مشترک کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

عظمیٰ جواد (ابوظہبی): آدمی جس قسم کے خیالات رکھتا ہے، اس کے گرد ویسا ہالہ بن جاتا ہے جو نظر کے لئے منشور (پرزم) کا کام کرتا ہے۔ پھر آدمی منشور کے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔ جس مقام سے منشور میں روشنی داخل ہوتی ہے، اس کا مشاہدہ ہو جائے تو منشور سے پیدا ہونے والا طلسم ٹوٹ جائے گا۔

محمد قیصر (پشاور): حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تحریر مشکل لگی۔ ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس تحریر کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”زمین سے جتنے لوگ خلا میں گئے، ان پر پرزم مسلط تھا۔ وہ پرزم سے باہر نہیں نکلے۔“ یعنی انہوں نے جو دیکھا، فریب دیکھا۔ پرزم سے باہر نہ نکلنے کا مطلب ہے کہ وہ زمین کے کناروں سے ہی باہر نہیں نکلے۔ خلا میں جانے کا ان کا دعویٰ سوالیہ نشان ہے۔ اور جو پرزم سے نکل گئے، وہ واپس نہیں آسکے کیوں کہ وہ جس ڈائی مینشن میں تھے، اس سے نکل گئے۔ کہاں گئے، زمین والوں کو نہیں پتہ۔

سکینہ ارشاد (لاہور): قلندر باباؒ نے فرمایا ہے کہ " ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو برقی جسم کے ذریعے دیکھتے ہیں یعنی برقی جسم ہماری نظر اور چیز کے بیچ میں رکاوٹ ہے۔" اس جملے کو کئی مرتبہ پڑھا۔ بات یہ سمجھ میں آئی کہ ہم برقی جسم کے ذریعے دیکھ رہے ہیں۔ برقی جسم ایک میڈیم ہے جس نے ہمارے اور شے کے درمیان فاصلہ رکھا ہے۔ اگر ہم فاصلے سے واقف ہو جائیں تو فاصلے تسخیر ہو جائیں گے۔ برقی جسم کو محسوس کرنے کے لئے تھوڑی دیر آنکھیں بند کیں، جسم پر غور کیا تو ارتعاش محسوس ہوا۔ کچھ لمحوں بعد یہ اتنا بڑھ گیا جیسے چاروں طرف برقی رَو کا غلاف ہو۔ مٹی کا جسم غیر محسوس ہو گیا۔ جب ذہن دباؤ برداشت نہ کر سکا تو کیفیت ختم ہو گئی۔ ہم اندر باہر برقی رَو ہیں۔ یہ رَو لطیف ہونے کی وجہ سے منتشر ذہن کو محسوس نہیں ہوتی۔

کاشف منور (ساہیوال): اعلیٰ اسپیس فرماں برداری کی ہے اور ادنیٰ اسپیس نافرمانی کی اسپیس ہے۔ ذہن میں نافرمانی کی اسپیس غالب ہو جائے تو کوئی شے اصل حالت میں نظر نہیں آتی۔ نتیجے میں مظاہر میں موجود روح نگاہوں سے اوجھل اور الوژن تصورات غالب ہو جاتے ہیں۔ حضور قلندر باباؒ فرماتے ہیں کہ پرزم کی وجہ سے ہم چیزوں کو چھوٹے سے بڑا ہوتے ہوئے اور ان میں ارتقا دیکھتے ہیں۔ تحریر پڑھ کر یہی سمجھ میں آیا کہ ہماری نگاہ پرزم کے اندر بند ہے جس نے رنگوں کا طلسم بنالیا ہے۔

محسنہ قاضی (کراچی): "ہر مخلوق پرزم کے اندر ہے۔ اگر پرزم کے باہر نکل جائے تو اس کی ہستی نہیں ملتی۔" پرزم مثلث یا ٹرائنگل جیسی شکل ہے۔ آسان لفظوں میں ٹرائنگل لامحدود شے کو محدود دکھاتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ جب روشنی منشور سے گزرتی ہے تو صرف منشور زدہ ذہن کو منقسم نظر آتی ہے اور جس کا ذہن منشور کے اثر سے پاک ہے، وہ روشنی کو منشور سے گزرنے کے بعد بھی منشور سے گزرنے سے پہلے کی حالت میں دیکھتا ہے۔

عائشہ صدیقہ (شہر کا نام نہیں لکھا): اسپیس کے ڈائی مینشن میں جن تین چیزوں (روح، برقی جسم، ارض) کا ذکر ہے، وہ میری سمجھ کے مطابق نگاہ کے تین زاویے ہیں۔ ہر تخلیق ارض ہے۔ ارض ایک اسپیس ہے جس پر چیزیں ظاہر ہوتی ہیں یعنی ارض برقی رَو کو ڈائی مینشن میں دکھاتی ہے۔ یہ جو ارض کا برقی رَو کو ڈائی مینشن میں دکھانا ہے، ہماری نگاہ کے لئے پرزم بنا رہا ہے۔

جنوری 2022ء کے مضامین پر قارئین کی آرا اور تبصرے:

جہاں آرا (کراچی): جنوری کا شمارہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ مضمون "والدہ ماجدہ" پڑھ کر خوشی ہوئی۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ کی والدہ کی شخصیت خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ "ماہنامہ قلندر شعور" میں خواتین اولیائے کرام کے بارے میں ہر دوسرے یا تیسرے ماہ مضمون شائع ہوتا ہے جو خوش آئند ہے۔ یہ تحریریں خواتین کو آنے والے دور کے لئے تیار کر رہی ہیں۔ گلِ نسرین صاحبہ آسان انداز میں کرامات کی توجیہ لکھتی ہیں جس سے کرامات صرف واقعات کی حد تک نہیں رہ جاتیں بلکہ ان کی روحانی سائنس سامنے آتی ہے۔ مضامین سارے اچھے ہیں۔ بعض اوقات فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا مضمون زیادہ اچھا ہے۔

سائرہ بانو (ملتان): مضمون "خیال — فون کی گھنٹی" اور میرے تجربات ایک سے ہیں۔ جب کسی کا خیال آتا ہے تو فون کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ میرے متعلق سوچ رہے تھے۔ ہم برقی رَو کے تحت ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ جس کو متوجہ کرنا ہو، فون کی طرح اس کا نمبر ملانے (تصور) سے ربط قائم ہو جاتا ہے۔ اب ہم پر منحصر ہے کہ ہم کس قسم کے لوگوں سے ربط میں رہنا چاہتے ہیں۔

شاہد سہیل (گجرانوالہ): "مسائل اور پیرا سائیکالوجی" سے ماحول میں رویوں کو سمجھنے میں آسانی ہوئی ہے۔ ہر مسئلے کا تعلق سوچ سے ہے۔ سوچ میں انتشار کے اثرات جسم اور صحت کے علاوہ اردگرد لوگوں کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ سوچ کی سمت درست ہو جائے تو مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

احسن نوید (گوجرہ): خالدہ زبیر کی تحریر عمدہ اور سیر حاصل تھی۔ مضمون کو غور سے پڑھنے سے جیسے سمندر کے تاریک گوشے روشن ہوئے اسی طرح ذہن کے تاریک گوشے بھی روشن ہوں گے۔

بابر خان (کراچی): نیّر اعظم کی تحریریں مجھے پسند ہیں۔ خاص کر "عقل مند" مکھی پڑھ کر مسکراتا رہا۔ مکھی کی صلاحیتوں کو جس انداز میں نمایاں کیا ہے، اس پر وہ داد کے مستحق ہیں۔ کچھ لوگ معلومات کو سیدھے سادھے انداز میں لکھ لیتے ہیں اور کچھ لوگ مزاح پیدا کر کے تحریر کو خاص بنا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر ندا بتول (لاہور): "سمندر کے تاریک گوشے" بہترین تحریر تھی۔ سمندر میں طبقات کے رموز پر سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ ساتھ ہی سوچ کو ایک رخ ملا کہ جس جگہ پر ہمیں اندھیرا

نظر آتا ہے وہاں ایسے رنگ موجود ہیں جن کو دیکھنے سے ہم قاصر ہیں مگر دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں۔

نذر محمد (اسلام آباد): رسالے میں بہت گہرائی پیدا ہوگئی ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ رسالہ مشکل ہے۔ گہری باتیں سادہ پیرائے میں اور مثالوں کے ذریعے بیان کرنے سے ذہن پر اضافی دباؤ نہیں پڑتا۔ یہ رسالہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ یونیورسٹی میں پڑھنے کے لئے رکھا جاسکتا ہے۔ میری طرف سے تمام لکھنے والوں بالخصوص رسالے کے چیف ایڈیٹر محترم عظیمی صاحب کو بہت مبارک باد۔

جنوری 2022ء کے مضمون ''ظاہر باطن ــ باطن ظاہر'' پر تفکر:

ثمینہ مقصود (فیصل آباد): خالقِ کائنات اللہ نے ہر شے جوڑے دہرے تخلیق کی ہے۔ اس قانون کے تحت ہر مخلوق غیب، ظاہر، غیب میں ردّوبدل ہورہی ہے۔ ظاہر میں شے عنصریت (matter) کا لباس پہنے ہوئے ہے اور اصل سے دور ہے، باطن میں شے حقیقت سے قریب ہے۔ ہمارے لئے اصل مرحلہ عنصریت یعنی فکشن سے دوری اور باطن سے قربت ہے جس کا راستہ قرآن کریم میں تفکر ہے۔

فرزانہ بانو (کراچی): اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں آدمی مشاہدہ کرے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں لوٹ رہا ہے۔ ہر تخلیق کا ریکارڈ اس کے اندر موجود ہے جو بتاتا ہے کہ زندگی وقت کی بیلٹ پر سفر کر رہی ہے۔ پروجیکٹر کے سامنے سے تصویریں گزرتی ہیں تو آدمی ان کو ظاہر کہتا ہے اور جب یہ گزر جاتی ہیں تو سمجھتا ہے کہ غائب ہوگئیں حالاں کہ وہ بیلٹ پر موجود ہیں۔ سلاسلِ طریقت میں ارتکازِ توجہ کی مشق (مراقبہ) سے نگاہ آنکھ کے دیکھنے کو ارادی طور پر معطل کر کے غیبی دنیا کا مشاہدہ کرتی ہے۔

جویریہ یٰسین (فیصل آباد): ہم کائناتی نظام سے اس لئے ناواقف ہیں کہ ہم نے کیئر آف اللہ طرزِ فکر کے بجائے، شیطانی طرزِ فکر کو اپنا لیا ہے جس کی وجہ سے فریبِ نظر میں گرفتار ہوگئے ہیں، زمین کی کشش میں الجھ گئے ہیں اور آسمان پر بروج دیکھنے سے قاصر ہیں۔ ذہن کو ہر کام میں اللہ کی طرف متوجہ رکھنے سے تغیر کی پرتیں اترتی ہیں، یقین روشن ہوتا ہے اور نگاہ ہر شے کی اصل دیکھ لیتی ہے۔

امی حضور رحمۃ اللہ علیہا

”جب تمہارے ابا نے مجھے پہلی مرتبہ قلندر باباؒ سے ملوایا تو فرمایا،
آؤ — تمہیں ایک اللہ والے سے ملواتا ہوں۔“

سیدہ بی بی راشدہ عفت عظیمیؒ کو بچے، بڑے سب امی حضور یا امی جان کہتے ہیں۔ قیامِ پاکستان سے تقریباً پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ سادات گھرانے سے تعلق تھا۔ والد تاجر تھے۔ والدہ اور والد دونوں اللہ رسولؐ کی محبت سے سرشار تھے اور یہی جذبہ بچوں میں منتقل ہوا۔

بی بی راشدہ عفتؒ کا بچپن دہلی کی حسام الدین حویلی میں گزرا۔ آپ کا گھرانہ مذہبی اور تعلیم یافتہ تھا۔ اس زمانے میں لڑکیوں کو پڑھانے کا زیادہ رواج نہیں تھا اس لئے استاد کا انتظام کیا گیا جو گھر میں پڑھانے آتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ کے خاندان نے ڈھاکہ (سابقہ مشرقی پاکستان) ہجرت کی۔

بی بی راشدہ عفتؒ 1956ء میں محترم عظیمی صاحب سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ رخصتی کے بعد کراچی آ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پانچ بیٹے اور چار بیٹیوں سے نوازا۔ ستاون برس کی رفاقت میں محترم عظیمی صاحب کے ہم قدم رہیں، زندگی کے نشیب و فراز میں استقامت کے ساتھ شوہر کا ساتھ دیا۔

ماں جو اقدار گھر اور خاندان کو منتقل کرتی ہے، وہ اقدار ستون بن جاتی ہیں اور ماں کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہیں — ماں ان اقدار کی صورت میں امر ہو جاتی ہے۔

بی بی راشدہ عفت عظیمیؒ سلسلہ عظیمیہ کا اہم ستون ہیں۔ انہوں نے خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے روحانی علوم کی ترویج اور خدمتِ خلق کے مشن میں محترم عظیمی صاحب کا بھرپور ساتھ دیا اور مثال بن کر عقیدت مند خواتین و حضرات کو ”مخلوق دوست“ ہونے کی طرز یں منتقل کیں۔ اللہ کا فضل اور حضور پاکؐ کی رحمت ہے کہ

روحانی مشن جو ایک مکان سے شروع ہوا تھا، الحمدللہ آج دنیا بھر میں پھیل گیا ہے۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

"اگر تمہاری امی جان کا مجھے تعاون نہ ملتا تو روحانی سفر طے کرنا میرے لئے مشکل مرحلہ بن جاتا۔"

تربیت کے زمانے میں ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے شاگردِ رشید کے پاس 16 سال قیام فرمایا۔ سیدہ بی بی راشدہ عفت صاحبہؒ نے عظیمی صاحب کے ساتھ مل کر مرشد کریم قلندر بابا اولیاؒ کی مثالی خدمت کی۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے امی جانؒ نے فرمایا،

"جب تمہارے ابا نے مجھے پہلی مرتبہ قلندر باباؒ سے ملوایا تو فرمایا — آؤ! تمہیں ایک اللہ والے سے ملواتا ہوں۔ قلندر باباؒ بہت شفقت سے ملے، سر پر ہاتھ رکھا اور سلامی دی۔"

بی بی راشدہ عفت امی حضورؒ سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ ان کا قلب خاتم النبیینؐ کے ذکر سے منور تھا۔ ان کو جس نے دیکھا، حضور پاکؐ کے عشق میں سرشار دیکھا۔ وہ کثرت سے درود شریف پڑھتی تھیں۔ بارگاہِ رسولؐ میں ہدیۂ نعت پیش کرنے کا بکثرت اہتمام فرماتی تھیں۔ جہاں دو چار خواتین جمع ہوتیں، وہ فرماتیں —

"آؤ میرے کمرے میں، نعتیں پڑھتے ہیں۔"

اور امی جانؒ کا کمرا مدحتِ رسولؐ سے گونج اٹھتا۔ سلام کے بعد شیرینی کا انتظام ہوتا تھا۔ اس معمول کے علاوہ بھی باقاعدگی سے محفلِ میلاد کا انعقاد کرتی تھیں۔

عاشقِ رسولؐ — امی جانؒ کا یہ عمل نہ صرف خاتم النبیینؐ سے عشق کا اظہار تھا بلکہ انہوں نے محافلِ میلاد کے ذریعے معاشرے کی اخلاقی اور قلبی تربیت کا بھی اہتمام کیا۔ انہوں نے سکھایا کہ — جب دو چار لوگ اکٹھے ہوں تو ادھر ادھر کی باتوں سے گریز کرکے اس ملاقات کو ذکرِ رسولؐ کی محفل بنا دیں۔

منکسر المزاج، حلیم الطبع اور سخی خاتون امی جانؒ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ اللہ نے انہیں غنی بنایا۔ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتی تھیں — جو ہوتا، دے دیتی تھیں۔ اللہ کی راہ میں دینے سے نہ ان کے ہاتھ خالی رہتے تھے اور نہ ان کے پاس آنے والا خالی ہاتھ لوٹتا تھا۔

امی حضورؒ محرم میں حلیم کا بہت اہتمام کرتی تھیں۔ بڑی سے بڑی دیگ پکایا کرتی تھیں۔ ان کو اولیائے کرام سے بھی بے حد عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ شہنشاہ ہفت اقلیم نانا تاج الدینؒ کی فاتحہ کے لئے میووں سے بھرا ہوا شیرخرما پکایا۔ جن لوگوں نے کھایا، وہ بتاتے ہیں کہ ایسا لذیذ شیرخرما آج تک نہیں کھایا، ذائقہ زبان پر رہ گیا۔

بہت مہمان نواز تھیں۔ کھانا زیادہ مقدار میں پکاتی تھیں۔ چاہتی تھیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ دسترخوان میں شریک ہوں۔ کھانے کے وقت جو شخص نظر آتا، اسے بلا کر کھانا کھلاتی تھیں۔ اگر وہ کسی کام میں مصروف ہوتا اور فوری نہیں آسکتا تھا تو تاکید کرتی تھیں کہ میں نے تمہارے حصے کا کھانا رکھا ہوا ہے یا تمہارے حصے کی شیرینی رکھی ہے، آکر کھالینا۔

ایک خاتون نے بتایا — کراچی سے لاہور بذریعہ ریل گاڑی ایک سفر میں ہم امی جانؒ کے ہمراہ تھے۔ جب کھانے کا وقت ہوتا اور کھانا آتا تو جتنے لوگ موجود ہوتے تھے، ان سب کے لئے فرماتی تھیں کہ یہ اُس کا حصہ ہے، یہ اِس کا حصہ ہے، یہ اُس کا حصہ ہے۔ کھانا ختم ہوجاتا تھا۔ مزید کھانا منگواتیں اور جو لوگ رہ جاتے تھے، ان کو دیتی تھیں۔ انہوں نے ہم سے فرمایا،

"ہم سب اس دنیا میں مسافر ہیں۔ رزق میں سب کا حصہ بنتا ہے اور ہمیں سب کو ان کا حصہ دینا ہے۔"

کراچی سے لاہور کا سفر اسی طرح گزرا۔

32/D کے گھر کا واقعہ ہے کہ ایک گداگر خاتون نے دروازے پر دستک دی۔ امی جانؒ نے دروازہ کھولا۔ اس نے فریاد کی کہ گرمی بہت ہے، میرے بچے پیاسے ہیں۔

امی جانؒ نے کمرے میں جو چھوٹا فریج رکھا جاتا ہے، اسے دے دیا اور سواری کے لئے پیسے بھی دیئے کہ وہ فریج بآسانی گھر لے جاسکے۔

وہ فرماتی تھیں — میرے لئے اللہ کافی ہے۔

امی جانؒ حسین صورت اور — حسین سیرت تھیں۔ چہرہ متبسم اور پُرنور تھا۔ وہ فرماتی تھیں،

"قلندر وہ ہے جو ہر حال میں خوش رہتا ہے۔"

قلندر باباؒ کے ساتھ گزرے ہوئے وقت کا اکثر ذکر کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ بتایا کہ بابا صاحبؒ نے نصیحت کی تھی کہ،

"اپنے اندر سے انا نکال دو۔"

کسی نے پوچھا، امی جان! انا کیا ہوتی ہے؟

فرمایا — ضد، بات نہ ماننا۔ یہ انا ہے۔ بس جو ہے اس پر خوش ہو کر زندگی گزار لو۔

امی حضورؒ نے خواتین کو اچھی ماں، اچھی بیوی اور اچھی بیٹی بننا سکھایا۔ ایک نشست میں فرمایا،

”مائیں بیٹوں اور بیٹیوں کی صحیح تربیت کریں۔ لڑکیوں کو گھرداری ضرور سکھائیں۔ ماں باپ کو چاہیئے کہ بچوں کے معاملے میں محتاط رہیں۔ ان کے دوست بنیں۔ ان کے آنے جانے پر نظر رکھیں۔ وہ کہاں جاتے ہیں، کس سے ملتے ہیں، ان کے دوستوں پر نظر رکھیں تاکہ بچے بگڑ نہ جائیں۔ زمانہ نازک ہے۔“

امی حضورؒ شادی بیاہ کے انتظامات میں بہت حصہ لیتی تھیں۔ اپنے پاس رکھے بغیر سلے ہوئے جوڑے دیتی تھیں۔ شادی کا کھانا اپنی طرف سے دیتی تھیں۔ خیرات بہت زیادہ کرتی تھیں۔ کوئی دعا کے لئے آتا تو دم کرتی تھیں، اللہ شفا دیتا تھا۔

ایک خاتون نے یادداشت بیان کی،

”سالوں پہلے کی بات ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک پریشان حال ماں بیٹی کو لے کر آئی۔ بیٹی اسکول میں پڑھتی تھی۔ اسے کوئی نفسیاتی عارضہ تھا۔ کسی وجہ سے عظیمی صاحب سے ملاقات نہ ہوسکی تو امی جانؒ نے بہت محبت سے خاتون کو تسلی دی، بچی کو پیار کیا اور یقین سے کہا کہ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ ان کا یقین بچی کے اندر منتقل ہوا، وہ ٹھیک ہوگئی اور آج خوش حال زندگی گزار رہی ہے۔“

ایک صاحبہ کو نصیحت کی کہ،

”جو کام ہے، اسے پورا کرو — ادھورا مت چھوڑو، چاہے کچھ ہو۔“

امی جانؒ وسائل کے ساتھ وقت بھی وقف کر کے لوگوں کی خدمت کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی خاتون سے فرمایا، باہر گھیکوار کے پودے لگے ہیں، کاٹ کر لے آؤ۔ گھیکوار چھیل کر گودا نکلوایا اور فرمایا، سرسوں کے تیل میں جلا کر اس کا تیل بناؤں گی۔ اس سے درد میں آرام ملتا ہے اور بالوں کے لئے بھی اچھا ہے۔ تیل بنا کر لوگوں میں تقسیم کرنا ہے۔

تیل بنانے کی ترکیب کم و بیش اس طرح تھی:

”ڈیڑھ کلو سرسوں کا تیل لے کر ایک کلو گھیکوار کا گودا اس میں ڈالیں اور رات بھر بھگونے کے لئے رکھ دیں۔ صبح دھیمی آنچ پر ڈیڑھ گھنٹے تک پکائیں۔ گودا جل جائے گا۔ جو تیل بچے گا وہ ہر قسم کے درد کے لئے مفید ہے۔“

امی جانؒ خوش لباس اور باذوق تھیں۔ نئے یا

بغیر سلے ہوئے جوڑے بھی دے دیتی تھیں۔
روپے پیسے سے انسیت نہیں تھی۔ یقین تھا کہ،

”کام پیسوں سے نہیں ہوتا — اللہ کے حکم
سے ہوتا ہے۔“

ایک خاتون جنہوں نے امی جانؒ کے ساتھ کافی وقت گزارا تھا، بتایا کہ — انتقال سے کچھ عرصہ قبل میری ملاقات ہوئی تو فرمایا،

”میرے پاس اس وقت نیا جوڑا نہیں ہے،
ایک جوڑا ہے جو کچھ دن پہلے سلوایا تھا، الماری
سے نکالو اور اپنے سائز کا کروالینا۔ سلائی کے
پیسے بھی مجھ سے لے لو۔“

خاتون نے بتایا کہ امی جانؒ کی وفات کے بعد میری ہمت نہیں ہوئی کہ اس جوڑے کو چھوٹا کرواؤں، میں نے اسی طرح رہنے دیا اور نیت کی کہ ان کو ایصالِ ثواب کروں گی۔

بات ذہن سے نکل گئی — دو سال گزر گئے۔

ایک روز خواب میں آئیں اور فرمایا،

”تمہارے پاس میری ایک امانت رکھی ہوئی
ہے، تم نے مجھے دی نہیں۔“

جاگنے کے بعد میں نے وہ جوڑا ایصالِ ثواب کر دیا۔ یعنی ان کی سخاوت کا سلسلہ اِس عالم سے جانے کے بعد بھی قائم رہا۔

فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ امی حضورؒ نے اذان کی آواز سن کر پاس موجود ایک خاتون سے فرمایا،

”پوری اذان سنو۔ ضرور سنو۔ کبھی مت چھوڑو۔
اذان توجہ سے سنا کرو۔“

صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں ۔ مرتبۂ احسان کا مراقبہ کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ فرمایا،

”اللہ نے مجھے دیدار سے نوازا ہے۔“

امی جانؒ نفیس اور صفائی پسند تھیں ۔ بیماری میں بھی بستر کی چادر روزانہ تبدیل کرواتیں۔ خوب صورت چھوٹے پھولوں والی چادر پسند تھی۔ بہت صابر اور شاکر تھیں۔ آخری ایام میں بیماری کی شکایت لہجے سے کی نہ چہرے سے۔ چہرہ پُرسکون رہتا تھا۔ یہی فرمایا کہ،

”اللہ کا شکر ہے، میں ٹھیک ہوں۔“

بی بی راشدہ عفت عظیمیؒ — امی حضور نے 15 مارچ 2013ء کو دارِ فانی کو خیرباد کہا۔ ان کی حیات خواتین کے لئے پیغام ہے کہ ماں صرف اپنے بچوں کو جنم دینے والی ہستی کا نام نہیں، یہ لامحدود رشتہ ہے جو ہر بچے کو اپنا بچہ سمجھتا ہے۔ انہوں نے حقیقی معنوں میں ماں کے رشتے کو لازوال کر دیا۔ ممتا کے جذبے کو اپنے بچوں تک

محدود نہیں رکھا۔۔۔ وہ سب کی امی جان ہیں۔

ایک نشست میں محترم عظیمی صاحب نے اپنی رفیقِ حیات کے بارے میں فرمایا،

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں میاں بیوی کے رشتے کے لئے سورۃ النسآء میں فرمایا ہے،

'میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔'

میں نے اس آیت کی تفسیر اپنے گھر میں دیکھی۔ میرے بچوں کی ماں اور میری رفیقِ حیات نے میرے ساتھ امتحان کی گھڑیوں میں صبر و شکر کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ اگر وہ مشن کی ترویج میں میرا ساتھ نہ دیتیں تو پھر اللہ ہی جانے کیا ہوتا۔ یہ بھی ہوا کہ میری ریاضت کے دور میں ہم تین افراد (قلندر باباؒ، امی جان، عظیمی صاحب) نے فاقے بھی کئے۔

ان کا وصال ہوا تو ایک روز کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ قلندر باباؒ کرسی پر تشریف فرما ہیں اور میری بیگم صاحبہ سے بات کررہے ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ بہت سارے بزرگ حاضر ہوئے اور دعائے مغفرت فرمائی۔ لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ 'ہم نے امی جان کو بہترین لباس میں دیکھا، کھانا کھلاتے ہوئے دیکھا'۔ الحمدللہ وہ وہاں خوش ہیں۔ مجھے اس بات کا بہت اطمینان ہے۔ اللہ سب کو خوش رکھے۔"

ماں

ایثار کا، وفاؤں کا، عظمت کا ہے نشاں
زندہ ہے جب بھی ماں، وہ مر جائے جب بھی ماں

ماں ساتھ ہے تو سایۂ قدرت بھی ساتھ ہے
ماں کے بغیر ایسا لگے دن بھی رات ہے
میں دور جاؤں اس کا میرے سر پہ ہاتھ ہے
میرے لئے تو ماں ہی میری کائنات ہے
پھیلا ہوا ہے سر پہ، دعاؤں کا سائباں
زندہ ہے جب بھی ماں، وہ مر جائے جب بھی ماں

اس پر یہ دل نثار ہے، جاں بھی نثار ہے
دنیا میں پیار ہے تو فقط ماں کا پیار ہے
اس کی محبتوں کا کہیں کچھ شمار ہے
یہ عین خاص! رحمتِ پروردگار ہے
نعم البدل زمانے میں اس کا کوئی کہاں؟
زندہ ہے جب بھی ماں، وہ مر جائے جب بھی ماں

قدرت نے ماں کے پیار کو ایسا جنوں دیا
ہر ماں نے اپنی کوکھ میں بچے کو خوں دیا
جب بے سکوں ہوا کبھی، ماں سے لپٹ گیا
بس ماں کی گود نے مجھے مطربؔ سکوں دیا
اس کی وجہ سے ربِ جہاں ہم پہ مہرباں
زندہ ہے جب بھی ماں، وہ مر جائے جب بھی ماں

(کلام: ڈاکٹر سکندر شیخ مطربؔ)

بلال حسن

میں کون ہوں ـــــ؟

ہوا ٹھہر کر واقفِ حال کی گفتگو سن رہی تھی۔ قریب دریا بہہ رہا تھا جس کی لہریں وادی کی طرح پُرسکون تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وقت اس وادی میں رک گیا ہے۔

یہ جسم جو تمہارے سامنے بیٹھا ہے، نعمت ہے۔ آواز جسے تم سن رہے ہو، یہ بھی نعمت ہے۔ جلد وہ وقت آئے گا جب نہ جسم ہو گا اور نہ یہ آواز ـــ سانس رکتے ہی آواز رکے گی اور جن عناصر کی یکجائی کا مظہر یہ جسم ہے، وہ بکھر کر زمین کی کھاد بن جائیں گے۔ میں تمہیں ڈرا نہیں رہا، یہ بتا رہا ہوں کہ جسم کی حقیقت کیا ہے، تم کون ہو اور خود کو کیا سمجھ بیٹھے ہو۔

آواز کی لہریں نیچے زمین، اوپر فضا اور چاروں طرف ایستادہ پہاڑوں سے ٹکرا کر واپس آتے ہوئے شاگردوں کی سماعت بن رہی تھیں۔

برف پہلے پانی تھا۔ پانی میں سالمات منجمد ہو کر برف بنتے ہیں لیکن برف پگھلنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ برف کو دھوپ میں رکھ دو۔ تم دیکھو گے کہ برف گھٹتا جائے گا جیسے جسم گھٹتا ہے۔ کچھ دیر میں وہاں پانی ہو گا اور پانی بھی کتنی دیر رہے گا ـــ؟ سورج کی تمازت سے خشک ہو جائے گا۔ پھر سورج بھی کتنی دیر رہے گا ـــ؟ دن ڈھلتے ہی غروب ہو جائے گا۔

جب سے وقت کا آغاز ہوا ہے، ہر شے گھٹ رہی ہے، بڑھ رہی ہے اور بڑھ کر گھٹ رہی ہے۔ زندگی اپنے ساتھ موت لے کر آتی ہے اور موت زندگی کو دعوت دیتی ہے۔

ہم برف کی مانند ہیں۔ جسم کو دیکھو۔ اس کی منزل غائب ہونا ہے۔ یہ روز منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہاتھ، پیر، ناخن اور چہرے کیا یہ پہلے ایسے تھے؟ یہ کس طرح بڑھتے ہیں، بڑھنے کے لئے خلیات میں دو جمع دو کی تقسیم کیسے ہوتی ہے اور بچپن والا جسم کہاں غائب ہو جاتا ہے؟ یہاں جتنے لوگ بیٹھے ہیں، سب جوان ہیں۔ جیسے بچپن

نہیں رہا، جوانی بھی نہیں رہے گی اور جسم گھٹ کر برف کی طرح پگھل جائے گا۔

شاگردوں نے اپنے ہاتھ پیروں اور ناخنوں کو دیکھا۔ ہاتھ پر لکیریں گہری ہوگئی تھیں، کھال میں سرخی دوڑ رہی تھی مگر یہ وہ کھال نہیں تھی جس میں بچپن کی نرمی تھی۔

استاد کی آواز ان سب کو اپنے اندر اترتی ہوئی محسوس ہوئی — جسے تم اپنا آپ سمجھتے ہو، وہ کئی عناصر سے مل کر بنا ہے۔ ایک عنصر کم ہوتا ہے اور شکل بگڑ جاتی ہے۔ تم یہ جسم نہیں ہو۔ عناصر کے مرکب کو تم مرد یا عورت کہتے ہو اور اس کی خوب صورتی سے متاثر ہو جاتے ہو۔ حالاں کہ غور سے دیکھو تو ان ذرّات میں تمہیں نہ مرد نظر آئے گا نہ عورت — وہاں کوئی نہیں ہے۔

شاگردوں کی آنکھوں میں سوال تھا۔

وہ جانتے تھے کہ ان کے استاد واقفِ حال ہیں اور جو کہہ رہے ہیں، دیکھ کر کہہ رہے ہیں۔

استاد نے فرمایا، جسم چار بنیادی عناصر سے بنا ہے۔ آگ، ہوا، مٹی اور پانی — ان کو روشنی نے سنبھال رکھا ہے۔ روشنی بکھرتی ہے تو آگ کے عناصر آگ کی طرف لوٹ جاتے ہیں، ہوا کے ہوا میں شامل ہو جاتے ہیں، مٹی مٹی میں مل جاتی ہے اور پانی کے عناصر پانی بن جاتے ہیں۔ تم آگ، ہوا، مٹی اور پانی کو اپنا آپ کہتے ہو۔

اگر تم آگ ہو تو پھر آگ خود کیا ہے؟

اگر تم پانی ہو پھر پانی کیا ہے؟

اگر تم ہوا ہو تو ہوا کیا ہے؟

اور اگر تم مٹی ہو تو پھر مٹی خود کیا ہے؟

سب نے مل کر تمہیں پہچان دی ہے۔

یہ بکھرتے ہیں — جسم بکھر جاتا ہے۔

تمہاری اپنی پہچان کیا ہوئی — ؟

شاگردوں کو محسوس ہوا کہ استاد کے الفاظ نے ان کے جسم کو موت سے پہلے بکھیر دیا ہے۔ اور ان کا کہاں، یہ تو آگ، پانی، ہوا اور مٹی کا جسم ہے۔ پھر وہ کون ہیں؟ کیا روشنی ہیں جس نے جسم کو سنبھالا ہوا ہے یا روشنی کوئی اور ہے اور وہ (شاگرد) نظر آنے کے باوجود موجود نہیں؟

ذہنوں میں ایک ہی بات گردش کر رہی تھی کہ میں کون ہوں۔ اجتماع میں خیال کی وحدت سے، گونج میں شدت پیدا ہوگئی۔

میں کون ہوں

میں کون ہوں

میں کون ہوں

دامنِ کوہ لہروں کی گونج سے لرز اٹھا۔

استاد نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا، خاموش!

خیال کی گردش تھم گئی۔

بے آواز شور رک گیا۔

استاد نے فرمایا، ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں موجود افراد میں سے کوئی بھی خود سے رابطے میں نہیں ہے، تم خود کو نہیں جانتے۔ اس جسم کے ساتھ کھانا کھاتے ہو، اسے کپڑے پہناتے ہو، اس میں سوتے ہو، اس کے ذریعے چلتے ہو لیکن اس سے رابطے میں نہیں ہو۔ کیسے بے حس ہو!

پوچھو اس (جسم) سے، یہ تمہیں بتائے گا کہ یہ کون ہے لیکن اگر یہ تم سے پوچھ لے کہ تم کون ہو تو کیا تمہارے پاس اس کا جواب ہے؟

ذہن خاموش تھے۔ ہوا ٹھہر کر واقفِ حال کی گفتگو سن رہی تھی۔ قریب دریا بہہ رہا تھا جس کی لہریں وادی کی طرح پُرسکون تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وقت اس وادی میں رک گیا ہے۔

قارئین! خاموشی باتیں کرتی ہے اور خاموش بھی رہتی ہے۔ یہ منطق نہیں ہے۔ خاموشی کو وجود سمجھ کر اس کی باتیں اور خاموشی کو سنیں۔ صرف خاموشی نہیں، اندر باہر ہر شے کو وجود سمجھا جائے تو ذہن کی دنیا بدل جائے گی۔

ایک شاگرد مؤدب کھڑا ہوا اور پوچھا، یہ جسم میں نہیں ہوں تو پھر میں کون ہوں؟

استاد نے کہا، پتہ نہیں تم کون ہو۔ ہاں! اگر دریا سے پوچھو گے تو وہ کہے گا کہ میں کوئی نہیں ہوں۔ پہاڑوں سے پوچھو گے تو وہ کہیں گے کہ ہم کوئی نہیں ہیں۔ ہوا سے پوچھو گے تو وہ بھی یہی جواب دے گی اور اگر زمین و آسمان اور ان کے درمیان اڑتے پرندوں سے پوچھو گے تو وہ بھی تمہیں یہی بتائیں گے کہ ہم کوئی نہیں ہیں۔ ہماری تمہاری طرح یہ سب عناصر کا مجموعہ ہیں۔ پہاڑ اپنے لباس کو پہاڑ نہیں سمجھتا اس لئے کہ وہ باہر نہیں، اندر میں دیکھتا ہے۔ پہاڑ کی طاقت وہ توانائی ہے جس کی وجہ سے پہاڑ بنا ہے۔ دریا جس طول و عرض میں بہہ رہا ہے، وہ اسے دریا نہیں کہتا اور نہ موجوں کو دریا کہتا ہے۔ یہ موجیں تو سمندر میں بھی بہتی ہیں۔ دریا پانی ہے اور پانی کا وجود اندر میں دَور کرنے والے کرنٹ سے ہے۔

کرنٹ کون ہے؟ کسی نے سوال کیا۔

استاد نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا، ہاتھ لگا کر دیکھ لو۔ ہاتھ لگا کر ہی معلوم ہوگا۔ جو جواب ملے، مجھے بھی بتا دینا۔ تم چکھے بغیر سیب اور آم کا

ذائقہ نہیں بتاسکتے۔ میں کہوں کہ سیب میٹھا ہے لیکن اس کی مٹھاس آم سے مختلف ہے، تمہیں کیسے علم ہوگا کہ آم اور سیب کیا ہیں اور مٹھاس کیا ہوتی ہے جب ان دونوں کو چکھا نہیں؟

دراصل استاد یہ کہنا چاہتے تھے کہ تم تجربے سے گزرے بغیر جواب جاننا چاہتے ہو۔ جواب مل جائے گا لیکن الفاظ کی حد تک۔ تجربے سے نہ گزرنے کی وجہ سے فائدہ نہیں ہوگا۔

اس سے پہلے کہ شاگرد بیٹھتا، استاد نے پوچھا،

کیا تمہارا بولنا کرنٹ نہیں ہے؟

کیا تمہارا سننا کرنٹ نہیں ہے؟

کیا تمہارا دیکھنا کرنٹ نہیں ہے؟

کیا تمہارا چلنا کرنٹ نہیں ہے؟

چابی چلتی ہے — گڑیا چلتی ہے، چابی رکتی ہے، گڑیا رک جاتی ہے۔ چابی کے گھومنے سے کرنٹ پیدا ہوتا ہے۔ کرنٹ کے علاوہ گڑیا کیا ہے؟

یہ بات سن کر سب کو جھٹکا لگا۔

استاد نے گہرے لہجے میں کہا، یہ جو جھٹکا تمہیں لگا ہے نا — یہ کرنٹ ہے۔

درمیانی صف میں بیٹھے شاگرد نے پوچھا، ہمیں کرنٹ کا احساس پہلے کیوں نہیں ہوا جب کہ یہ ہمارے اندر ہے —؟

کیوں کہ تم باہر دیکھ رہے ہو۔ تمہارا خود سے رابطہ نہیں ہے۔ پھر — الفاظ پر زور دیتے ہوئے فرمایا، تمہارا کسی شے سے رابطہ نہیں ہے، تم خود سمیت ہر شے کو باہر سے دیکھتے ہو۔ درخت کو دیکھ کر کہتے ہو کہ یہ بڑا ہے، یہ چھوٹا ہے، یہ پھیلا ہوا ہے، یہ گھنا ہے — یہ نہیں دیکھتے کہ بڑا، چھوٹا، پھیلا ہوا اور گھنا سب درخت ہیں۔ تمہارا ذہن چھوٹے، بڑے، پتلے اور گھنے میں رک گیا ہے، درخت میں نہیں رکا اس لئے تمہاری سوچ میں قیام نہیں ہے۔ جس روز تم درخت کو پہلے دیکھو گے — چھوٹے بڑے کا فرق معانی کھو دے گا، ذہن راسخ ہوگا اور سوچ کو قیام مل جائے گا۔

سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

میری باتوں کو درختوں تک محدود نہ رکھنا۔ جو کچھ سمجھایا ہے، اس میں زندگی کی اصل کو جاننے کا قانون ہے۔ جب زندگی ہر جگہ ایک ہے پھر قانون بھی ایک ہے۔ تم جیسے نظر آتے ہو، یہ تم نہیں ہو۔ درخت جیسا نظر آتا ہے، درخت وہ نہیں ہے، یہ بدلے گا۔

پھر ہم کون ہیں؟

سب نے یک آواز ہو کر پوچھا۔

یہ تو تم ہی بتا سکتے ہو کہ تم کون ہو۔

سب نے پوچھا، آپ کون ہیں؟

استاد نے کہا، تم کئی دنوں سے مجھے دیکھ رہے ہو، کیا تمہیں ان آنکھوں پر اعتبار نہیں جو دیکھ کر بھی پوچھتے ہو کہ میں کون ہوں؟ جب آنکھیں تمہیں سچ نہیں بتاسکتیں تو اس کے ذریعے نظر آنے والے مظاہر تمہارے لئے سوالیہ نشان ہیں۔ جب میں کہتا ہوں کہ دیکھو! تو اس کا مطلب ہے دیکھو! سرسری نہیں، گہری نظر سے دیکھو۔ جو شے جس طرح ہے، اس کو ویسا دیکھو۔ اس کے علاوہ دیکھنے کی کوئی تعریف نہیں۔

ہم کھال، بال، ناک نقشہ اور رنگوں کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں اور ان کو اپنا آپ سمجھ کر دھوکے میں ہیں۔ اگر تم ایک ہفتہ نہیں نہاؤ تو کوئی قریب نہیں بیٹھے گا۔ دھوپ میں کام کر کے سخت محنت کے بعد پسینے میں شرابور گھر جاتے ہو، خود کو صابن اور پانی سے رگڑتے ہیں تو بدبو کسی حد تک کم ہو جاتی ہے، ختم نہیں ہوتی۔ صابن کی خوش بو اس کی جگہ لے کر بدبو کو عارضی طور پر دبا دیتی ہے۔ جب صابن کی خوش بو ختم ہوتی ہے تو جسم کی خوش بو یا بدبو دوبارہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ اب اس کا کیا کرو گے؟ کتنی دیر خود سے دور رہو گے؟

ان باتوں پر غور کیوں نہیں کرتے؟

یہ کیا سکھاتی ہیں؟

پہلی صف میں بیٹھے شاگرد نے کہا، یہ سکھاتی ہیں کہ خوش بو لگا کر ہم نے سمجھا کہ یہ ہم سے آرہی ہے جب کہ ہم نے یہ کہیں سے لی ہے۔

ٹھیک ہے۔ کیوں سمجھتے ہو کہ تمہیں خوش بو کی ضرورت ہے؟ خوش بو تو خوش بو ہے، تمہارا وجود کہاں ہے، اسے تلاش کیوں نہیں کرتے؟ کتنا بڑا فریب ہے۔ کسی کی چیز کو اپنا سمجھ لینا، کسی کے مکان (جسم) کو اپنا مکان کہنا، کیسی بے وقوفی ہے۔ اس سوچ نے ہمیں حقیقت سے دور کر کے خود سے لاعلم کر دیا ہے۔

تم لوگوں کے پاس میرے سوالوں کا جواب نہیں ہے کیوں کہ تم خود سے رابطے میں نہیں ہو۔ ہر قدم راستہ ہے اور ہر قدم منزل ہے۔ میں راستہ دکھا سکتا ہوں جیسے میرے استاد نے مجھے دکھایا۔ میں ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلا اور جواب ملتے گئے۔ تم بھی چلو۔

خود سے رابطے کا سبق دے کر واقفِ حال اٹھے اور چادر کندھے پر ڈالتے ہوئے حجرے کی طرف بڑھ گئے۔ استاد نے سبق دے دیا تھا۔ اب شاگردوں کو اپنے حصے کا کام کرنا تھا۔

الفاظ اور معانی

الفاظ ظاہری تصویر کو بیان کرتے ہیں اور معانی سے باطن کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ کسی کے چہرے پر خوشی یا رنج کے آثار سے رنج اور خوشی کی تصویر نظر آتی ہے لیکن ان کا باطن الوجود واضح نہیں ہوتا کہ خوشی کیا ہے اور رنج کس کیفیت کا نام ہے۔ جب تک آدمی ان سے گزر کر حق الیقین میں داخل نہیں ہوتا، وہ الفاظ سے واقف ہوتے ہوئے بھی معانی سے لاعلم ہے۔

درخت کو شجر کہہ دیں، پیڑ کہہ دیں یا tree کہہ دیں ـــ یہ مختلف زبانوں میں درخت کی ظاہری شکل کے نام ہیں۔ درخت کیا ہے، یہ درخت کی مقداروں میں داخل ہو کر معلوم ہوگا۔

حضرت ذوقی شاہ صاحبؒ کی محفل میں لفظ اور معانی پر گفتگو ہو رہی تھی۔ انہوں نے اس بارے میں عقیدت مندوں کو ایک گفتگو کا احوال بتایا۔ فرمایا، ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہا، میں نے ایک شخص کو پڑھنا لکھنا سکھایا، صرف و نحو پڑھایا اور اب اس کو قرآن کے معنی پر عبور ہے۔

میں نے کہا، قرآن کے معانی پر آپ کو عبور نہیں، آپ کے شاگرد کو کس طرح عبور ہو سکتا ہے؟

وہ کہنے لگے، کیوں صاحب کیا مجھے قرآن کریم کے معانی نہیں آتے؟

ہم نے کہا، اچھا! نار کے معنی بتایئے۔ انہوں نے کہا، آتش۔

پوچھا، آتش کے معنی کیا ہیں؟ انہوں نے کہا، آگ۔

ہم نے کہا، یہ معنی تو نہیں ہیں۔ یہ تو آپ دوسری زبان کے الفاظ میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ نار کے معنی بتایئے۔ اب وہ سٹپٹائے۔

ہم نے کہا، نار کے معنی وہ ہیں جو چولہے میں ہے۔ باقی سب الفاظ ہی الفاظ ہیں۔

کروٹ کروٹ بے قراری

روح کی توانائی، روح کی زندگی، روح کی حرکت، روح کا حسن اللہ کی محبت اور قربت ہے۔ جس طرح جسم مادی غذا نہ ہونے سے کمزور و ناتواں اور ناکارہ ہو جاتا ہے اسی طرح اگر روح کو قربِ الٰہی حاصل نہ ہو تو وہ بھی ضعیف و ناتواں ہو جاتی ہے۔ بے چین و بے قرار رہتی ہے۔

کبھی سمندر میں سے اٹھتی ہوئی موجوں کو دیکھا ہے؟ یہ موجیں سمندر میں سے ٹھیک ساحل پر جبین ریز ہوتی ہیں۔ کبھی سوچا ہے کہ موجوں اور لہروں کی بے قراری، بے تابی، تڑپ اور کروٹ کروٹ طغیانی کا راز کیا ہے —؟

موج جب اپنی اصل، سمندر سے دور ہوتی ہے تو اس کے اوپر دوری کا احساس غالب آ جاتا ہے۔ وہ بار بار ساحل سے اس لئے سر ٹکراتی ہے کہ اسے فراق کی گھڑیاں قیامت لگتی ہیں۔

سمندر اپنا ایک تشخص رکھتا ہے۔ جوش و جلال اور عظمت سے جب وہ اپنی حیثیت کا مظاہرہ کرتا ہے تو آسمانوں کے کناروں کو چھوتی ہوئی لہریں اس کے باطن سے باہر آ جاتی ہیں اور ساحل پر اپنی پیشانی رکھ دیتی ہیں — عظمت و جرأت کا مظاہرہ مجبور کر دیتا ہے کہ وہ فرش پر سجدے میں گر جائیں۔ لہریں جیسے ہی فرش پر جبین نیاز رکھتی ہیں، سمندر اسے آغوش میں ایسے سمیٹ لیتا ہے کہ لہر اور سمندر ایک ہو جاتے ہیں۔ سمندر میں مد و جزر، جوار بھاٹا، لہروں کا تلاطم، سمندر کے تشخص میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل بن جاتا ہے۔

پانی جب ذرّہ ذرّہ ہو کر لطیف ہو جاتا ہے تو ہوا اسے اپنے کاندھوں پر سے خلا میں اچھال دیتی ہے۔ خلا جب لطافت سے معمور ہو جاتا ہے اور اسے سکون کا ایک ابدی لمحہ میسر آ جاتا ہے تو یہ ساری لطافت، یہ سارا ترشح*، یہ ساری نمی بادل کے روپ میں خود کو منتقل کر دیتی ہے۔

بادل کے بڑے بڑے مشکیزے قافلہ در قافلہ کارواں در کارواں اڑتے ہوئے شمال سے جنوب

---

* ترشح (ٹپکاؤ۔ بوند بوند ہو کر گرنے یا بکھرنے کی حالت)

اور جنوب سے شمال، مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق میں محوِ سفر ہو جاتے ہیں۔ جہاں ان کا قیام ہوتا ہے وہاں حرکت منجمد ہو جاتی ہے۔ جمود اپنے وجود کو ٹھہرا ہوا دیکھتا ہے تو سورج سے معاونت چاہتا ہے۔ سورج جب بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکھری ہوئی چاندنی کو گہری آنکھوں سے دیکھتا ہے تو سورج کی آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں اس وجود کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں۔

یہ ریزہ ریزہ جمود سیال بن کر اعلیٰ سے نشیب کی طرف چشموں، آبشاروں اور ندی نالوں میں سے سیل بے کراں کی طرح رواں دواں ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سمندر سے جاملتا ہے۔

یہ سب کیوں ہوتا ہے—؟ اس لئے کہ سمندر میں سے نکلا ہوا پانی کا ایک ایک قطرہ، اصل سے اپنا رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہے۔

درخت کا بیج پسند نہیں کرتا کہ وہ فنا ہو جائے۔ اس طرح فنا ہو جائے کہ موت اس کے مستقبل کو کھا جائے۔ بیج اپنے اندر تناور درخت کی حفاظت کرتا ہے۔ فنا کا لباس زیب تن کر کے درختوں کے وجود کو قائم رکھتا ہے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ بیج اپنی اصل سے رشتہ مستحکم رکھنا چاہتا ہے۔

حرکت ہمہ وقت حرکت ہے— یہ حرکت پہاڑوں کو بڑے بڑے ٹکڑوں میں، پہاڑوں کے بڑے تودوں کو چھوٹے چھوٹے پتھروں میں، چھوٹے پتھروں کو کرش میں اور کرش کو بجری میں، بجری کو ریت میں کیوں تبدیل کرتی رہتی ہے؟ اس لئے کہ پہاڑوں، کوہساروں اور ریت کے ذرّات میں قدرِ مشترک ختم نہ ہو جائے۔

آدم زاد نے جب روح سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور روحانی طریقت کو نظر انداز کر دیا، سیم و زر کی فراوانی اور عیش و عشرت کو سب کچھ جان لیا تو روح کی بے قراری میں اضافہ اس لئے ہو گیا کہ روح جانتی ہے کہ صرف مادیت کا عروج روح کی غذا کو زہریلا اور مسموم بنا دیتا ہے۔ جیسے ہی روح سے آدم زاد کا رشتہ کمزور ہوتا ہے، وہ قربِ الٰہی اور خالقِ اکبر کی محبت سے دور ہوتا رہتا ہے۔

دنیا میں جنگ و جدال، خون ریزی، نفرت و حقارت اس لئے پھیل گئی ہے کہ آدم برادری کی روح بے چین ہے۔ اسے سکون اس لئے نہیں ہے کہ اشرف المخلوقات آدم درندہ بن گیا ہے۔ زر و جواہر کو اہمیت دیتا ہے لیکن جس نے زر و جواہر کے ذخائر آدم کو منتقل کئے ہیں، اس سے صرف لفظی تعلق ہے۔

عظیمی
روغن
پرسیاؤشاں
REDISCOVER
YOUR HAIR'S
NATURAL BEAUTY
گھنے، لمبے اور چمکدار
بالوں کی نشو و نما کے لئے
جڑی بوٹیوں سے تیار کیا ہوا تیل
چمک دار سیاہ بال
خشکی کا خاتمہ
نرم و ملائم بال
حافظہ روشن کرتا ہے
دماغ کو تقویت دیتا ہے
سردرد میں مفید ہے
عظیمی
روغن
پرسیاؤشاں
عظیمی میڈیکل اسٹور
ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

SEARLE

CANDEREL

کینڈرل

پھیلائے دنیا بھر میں مٹھاس لو کیلوری کے ساتھ

30 سال سے زائد عرصے سے دنیا بھر میں ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں **کینڈرل** چینی جیسی مٹھاس شامل کر رہا ہے وہ بھی معمولی سی کیلوری کے ساتھ ۔ **کینڈرل** بلڈ گلوکوز لیول پر بھی کوئی اثر نہیں کرتا ہے۔ اگر آپ ذیابیطس کے مریض ہیں جو زندگی میں مٹھاس لانا چاہتے ہیں یا آپ اپنے وزن کی خاطر روز میٹھے سے نظر چراتے ہیں تو اب آپ کی مشکل ہوئی آسان۔۔۔ **کینڈرل** کے ساتھ

خواجہ شمس الدین عظیمی

مسائل اور پیراسائیکالوجی

پیراسائیکالوجی کے تحت دیئے گئے علاج کے لئے اجازت ضروری ہے۔ کوئی صاحب یا صاحبہ اجازت کے بغیر علاج نہ کریں۔ (ادارہ)

تشنگی

بشریٰ حیدر، کراچی: شادی کو دس سال ہو گئے ہیں، تین بچے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے زندگی خوش حال ہے۔ شوہر، بچوں، سسرال اور معاش کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں پھر بھی دل اداس رہتا ہے جیسے کوئی خلا ہے۔ سمجھ سے باہر ہے کہ یہ کس کمی کا خلا ہے۔ دماغ میں لایعنی تصورات کی فلم چلتی ہے جسے دن بھر دیکھتی رہتی ہوں۔ اکثر اوقات یہ تصورات حقیقی محسوس ہوتے ہیں جیسے یہ سب مجھ پر گزر چکا ہے۔ میں نے اپنے لئے خود ساختہ بے سکونی پیدا کرلی ہے۔ اس سے نکلنے کی کوشش کرتی ہوں، پھر بے مقصد تصورات میں ڈوب جاتی ہوں۔

جواب: آدمی جسم اور روح کا مظاہرہ ہے۔ وہ جسم کے تقاضے پورے کرتا ہے، روح کے تقاضے رہ جاتے ہیں اور تشنگی کا احساس دلاتے ہیں۔ آپ معاشی اور گھریلو لحاظ سے آسودہ زندگی گزار رہی ہیں، روح کی آسودگی کی طرف بھی دھیان دیجئے۔ جب تک بندہ اپنی اصل سے واقف نہیں ہوتا، مادی طور پر خوش حال ہونے کے باوجود تشنہ رہتا ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر ترجمے کے ساتھ قرآن کریم پڑھئے اور جو پڑھا ہے، مختلف اوقات میں دن بھر اس کو ذہن میں دہرایئے یعنی تفکر کیجئے۔ رات کو سونے سے پہلے جو سمجھ میں آیا، ڈائری میں لکھ لیجئے۔ ڈائری لکھنے کی مشق 40 روز ہے جب کہ قرآن کریم میں تفکر روزانہ کرنا ہے۔ اداسی سے نجات ملے گی اور زندگی سکون کا گہوارہ بن جائے گی، انشاءاللہ۔

بے مقصد خیالات میں رہنے کی عادت سے آپ کے بچے نظر انداز ہورہے ہیں۔ بچے بہت حساس ہوتے ہیں۔ ان کی مصروفیات میں دلچسپی لیتے ہوئے تربیت پر دھیان دیجئے۔

کفرانِ نعمت

الماس زاہد، اوکاڑہ: والد کی وفات کے بعد بھائیوں نے کاروبار سنبھالا جو ایک دو سال ٹھیک چلا پھر خسارہ ہونا شروع ہوگیا۔ پانچ سال اس قدر تنگدستی میں گزرے ہیں کہ کیا لکھوں۔ نوبت یہ ہے کہ دکان فروخت ہونے کو آگئی ہے۔ بھائی کے ساتھ والی دکانیں اچھی چلتی ہیں۔ ایک بھائی اور بہن ملازمت کرتے ہیں جن کی تنخواہ سے گھر چلتا ہے۔ والد کیا گئے، گھر سے برکت اٹھ گئی ہے۔ بہن بھائی آپس میں لڑتے ہیں۔ ہم پر یہ مصیبت کیوں آئی؟

جواب: ناشکری اور ناپ تول میں کمی سے رزق سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے،

"اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کردیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کروگے تو میری سزا بہت سخت ہے۔" (ابرٰہیم: ۷)

مسلسل ناشکری کفرانِ نعمت بن جاتی ہے اور وسائل کے راستے تنگ ہوجاتے ہیں۔ ایک گھونٹ پانی پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

چاول لیجئے اور کسی سے بات کئے بغیر ہر چاول کے دانے پر ایک ایک نقطہ لگایئے۔ جب چاولوں کی تعداد ایک ہزار ہوجائے تو پرندوں کو ڈال دیجئے۔ رات کو سونے سے پہلے بہن بھائی مل کر یہ عمل کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ صبح فجر سے پہلے دانہ پرندوں کو ڈال دیجئے۔ عمل 60 روز کرنا ہے۔ انشاءاللہ رزق میں برکت ہوگی اور گھر والوں کا دل اللہ کی مخلوق کے لئے نرم ہوگا۔

کشش کا راز

ح۔ ر، پشاور: ہم چار بہن بھائی ہیں۔ میں چھوٹا ہوں۔ بہن بھائی خوب صورت ہیں لیکن میری صورت واجبی ہے۔ سب چھیڑتے ہیں کہ اماں ابا نے گود لیا تھا۔ بہن بھائیوں کی شادی ہوچکی ہے۔ میں رہ گیا ہوں۔ ان سے میرا موازنہ کرکے کوئی رشتہ قبول نہیں کرتا۔ شادی نہ ہونا اذیت نہیں ہے — مسترد ہونا اذیت ہے۔ میں کشش کا عمل کرنا چاہتا ہوں تاکہ اعتماد بحال ہو۔

جواب: خوب صورتی اور پُرکشش بننے کا عمل خوش رہنا ہے۔ کشش کا تعلق چہرے کے رنگ سے نہیں ہے۔ آدمی لہروں سے بنا ہے۔ جب لہریں اس ترتیب پر قائم رہتی ہیں جس پر اللہ نے تخلیق کیا ہے تو چہرہ پُرکشش ہوتا ہے۔ مثال پیدا ہونے والا بچہ ہے۔ بچے کو کوئی بدصورت نہیں کہتا کیوں کہ اس کا شعور اللہ کی بنائی ہوئی فطرت

پر قائم ہے۔ خوش رہنے سے لہریں ترتیب میں آتی ہیں اور چہرہ پُر رونق ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والے اسی جمال سے متاثر ہوتے ہیں۔ سویرے بیدار ہوں اور اول آخر گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ سو مرتبہ یا حی یا قیوم پڑھ کر تصور کیجئے کہ آسمان سے نیلی روشنی آرہی ہے اور وجود میں سرایت کررہی ہے۔ مشق کو معمول بنالیجئے۔

بد پرہیزی

خاور شکیل، راولپنڈی: ڈھائی سال ہوگئے ہیں، سر میں ہر وقت درد رہتا ہے۔ گلا پک جاتا ہے۔ گیس کی بھی تکلیف ہے۔ علاج سے افاقہ نہیں ہو رہا۔ آہستہ آہستہ دوسری بیماریاں لاحق ہو رہی ہیں۔ دل پر دباؤ بڑھ گیا ہے۔ ہاتھوں میں لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ کوئی ایک بیماری ہو تو لکھوں۔ شاید دوا نے اثر کرنا چھوڑ دیا ہے۔

جواب: کھانے میں بہت احتیاط اور چکنائی سے پرہیز کی ضرورت ہے۔ اچھے ڈاکٹر کو دکھایئے اور اس کی ہدایت پر پابندی سے عمل کیجئے۔

کھنک

ندیم سہیل، اوکاڑہ: دسمبر 2021ء میں آواز کی خوب صورتی کے لئے خط لکھا تھا۔ آپ نے مٹکے والا عمل بتایا جسے میں نے باقاعدگی سے کیا۔ الحمدللہ ڈھائی مہینے میں واضح فرق آیا ہے۔ اس کا اظہار ان لوگوں نے کیا جو مذاق اڑاتے تھے۔ وہ

پیراسائیکالوجی
(Parapsychology)

ماہنامہ قلندر شعور مارچ 2022ء

اماں کا نام : .... سائل کا نام: ....

تاریخ اور وقت پیدائش : .... تعلیم: .... ازدواجی حیثیت: ....

جاگنے کا دورانیہ : .... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: ....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: .... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: ....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن : .... دستخط : ....

خط وکتابت کا پتہ : ....

.... رابطہ نمبر: ....

پوچھتے ہیں تمہاری آواز بدلی بدلی سی کیوں ہے، کھنک کہاں سے آئی۔ میں بہت خوش ہوں اور آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ مشق جاری ہے۔

مثلث

مہوش رفیق، سکھر: والدہ کا مزاج غصیلا ہے۔ گھر والے اور عزیز و اقارب بات کرتے ہوئے احتیاط کرتے ہیں کہ کچھ برا لگا تو بے عزتی کر دیں گی۔ والد ان کا خیال رکھتے ہیں، ہم بھی سمجھاتے ہیں لیکن ان کو بات بات پر غصہ کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ گھر میں فساد ہو جاتا ہے۔ بچے ماں سے دور ہو گئے ہیں۔ دل کی بات کریں تو کس سے۔ ہر بات والد سے نہیں کی جا سکتی۔

جواب: والدہ کی بڑی تصویر لے کر سر کے اوپر کچے سکّے کی پنسل سے، گھڑی دیکھ کر پانچ منٹ مثلث بناتی رہئے۔ مثلث بناتے وقت پنسل پر زیادہ دباؤ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ علاج اس وقت کیا جائے جب والدہ گہری نیند میں ہوں۔ 21 روز کے بعد رپورٹ سے مطلع کیجئے۔

گھر والوں کو چاہئے کہ جب والدہ مسکراتی ہیں تو چہرے کی تعریف کریں کہ آپ کے چہرے پر نرمی ہے، مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہیں، کشش بڑھ جاتی ہے۔ والدہ کو تحفے میں سفید پھول دیجئے، ان کے کمرے میں چنبیلی کے پھول رکھئے۔

واقف ـــ ناواقف آدمی؟

ایک شخص اپنے جگری دوست کو خط لکھتا ہے۔ خط لکھنے میں اس کا دماغ بھی کام کرتا ہے، اس کا ہاتھ بھی چلتا ہے، وہ جس ماحول میں موجود ہے، وہاں پھیلی ہوئی آوازیں بھی سنتا ہے۔ کوئی آدمی اگر بات کر رہا ہے، اس بات کا مفہوم بھی اس کے ذہن میں منتقل ہو رہا ہے۔ کوئی اس سے سوال کرتا ہے تو وہ اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ فضا میں خنکی ہے تو سردی محسوس کرتا ہے، گرمی ہے تو گرمی کو بھی محسوس کرتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود خط لکھتا ہے تو شعور میں الفاظ کے معانی اور مفہوم بھی منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک آدمی بیک وقت اپنے اندر چھپی ہوئی کئی صلاحیتوں کو استعمال کر رہا ہے۔ بالکل اسی طرح کوئی بندہ بیداری میں رہتے ہوئے نیند اور خواب کے حواس کو بھی اپنے اوپر منعکس کر لیتا ہے۔ اس کے اندر لاشمار صلاحیتیں متحرک ہو جاتی ہیں۔ وہ بیدار زندگی میں رہتے ہوئے بھرپور ماورائی حواس کے ساتھ غیب کی دنیا میں شب و روز گزارتا ہے۔

عابدہ بلال (ایڈوکیٹ)

عورت اور حقِ وراثت

یہ نکتہ سمجھنا اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متوفی کے ورثا کے نہ صرف حصص بیان فرمائے ہیں بلکہ فرد کی موت کے بعد تمام ممکنہ ورثا کو اس کے حصص کا مالک بنایا ہے۔

رحمٰن و رحیم اللہ کا ارشاد ہے،

"اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔" (النسآء : ۱۱)

یہ آیت وراثت سے متعلق ہے۔

قرآن کریم کائناتی قوانین پر مبنی قانون کی جامع کتاب ہے جس میں خالقِ کائنات اللہ نے معاد سے لے کر معاشرت تک زندگی کے ہر شعبے سے متعلق قوانین وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ قوانین میں ایک باب وراثت کا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے متوفی یا متوفیہ* کے تمام قریبی رشتہ داروں میں کمالِ تناسب کے ساتھ متوفی یا متوفیہ کے ترکہ کی تقسیم بیان کی ہے۔ وراثت کے قانون کے ذریعے اللہ نے ایک خاندان میں پائے جانے والے تمام ممکنہ خونی رشتوں میں ترکہ کی تقسیم کا فارمولا بیان کیا ہے۔ ترکہ کی تقسیم میں اللہ نے جو "اکائی" مقرر فرمائی ہے وہ ایک لڑکی کا حصہ ہے۔

وراثت کی تقسیم کا قانون سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ وراثت کیا ہے۔

"وراثت ایک ایسا فطری حق ہے جو کسی متوفی یا متوفیہ کے تمام شرعی اور قانونی ورثا کو، چھوڑے گئے ترکہ میں، اپنے اپنے حصے کی حد تک مالک بنا دیتا ہے۔"

جیسے ہی روح جسم سے تعلق منقطع کرتی ہے، فرد کے تمام ورثا، بلا تفریق مرد و عورت، مرنے والے کے ترکہ میں اپنے اپنے شرعی اور قانونی

* متوفیہ یا متوفی (وہ فرد جس کی وفات ہو گئی ہو۔)

حصے کی حد تک فی الفور مالک بن جاتے ہیں۔

یہ نکتہ سمجھنا اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متوفی کے ورثا کے نہ صرف حصص* بیان فرمائے ہیں بلکہ فرد کی موت کے بعد تمام ممکنہ ورثا کو اس کے حصص کا مالک بنایا ہے۔ اس قانون کے مطابق جیسے ہی فرد کی وفات ہوتی ہے اس کے ممکنہ ورثا چھوڑے گئے ترکہ میں اپنے اپنے شرعی حصے کی حد تک by default مالک بن جاتے ہیں جب کہ دنیاوی اعتبار سے وراثت کی تقسیم سے متعلق ذمہ داران پر، وراثتی حصے کا قبضہ، اس کے شرعی وارث یا مالک کے حوالے کرنے کی ذمہ داری باقی ہوتی ہے — یعنی حق دار تک اس کا حق پہنچانا۔

ہمارے معاشرے میں وراثت کی تقسیم کے حوالے سے عمومی رویہ اس کے بالکل برعکس ہے جس کی وضاحت آپ نے اوپر پڑھی۔

فرد کی وفات کے بعد مرد رشتہ دار یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک وفات پانے والے شخص نے اپنے چھوڑے گئے ترکہ میں سے خود اپنی بیٹی یا بہن وارثہ کو وراثت کا شرعی حصہ منتقل نہ کیا ہو، تب تک بہن یا بیٹی جائیداد میں اپنے شرعی حصے کی مالکہ نہیں بن سکتی۔ یوں ساری زندگی مرد ورثا کی اکثریت بہن یا بیٹی (وارثہ) کو اس کے شرعی حصے کے قبضے اور تصرف سے محروم رکھتے ہیں اور تمام عمر ان کی شرعی و وراثتی ملکیت کو استعمال کرتے ہیں یعنی جائیداد میں ان کے حصے کو بھی اپنے استعمال میں لے آتے ہیں۔ وہ اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کردیتے ہیں کہ ترکہ میں عورت کو وراثت کی ملکیت کا حق از خود منتقل ہوجاتا ہے۔ وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ جس طرح ہمارے والد یا والدہ دنیا میں نہیں رہے اور جائیداد رہ گئی، اسی طرح ایک روز ہم بھی دارِ فانی کو چھوڑ دیں گے اور جائیداد یہیں رہ جائے گی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔" (الانفال: ۲۸)

مال اور اولاد آزمائش اس لئے ہیں کہ یہ دونوں دنیادار شخص کی کمزوری بن جاتی ہیں۔

حقِ وراثت کے ضمن میں یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ وراثت کس مال سے تقسیم ہوسکتی ہے؟

* حصص (تقسیم کرنا، مختص حصہ)

وراثت ہمیشہ متوفی یا متوفیہ کے چھوڑے گئے ترکہ میں سے تقسیم ہوتی ہے۔ ترکہ کیا ہے؟

''ترکہ اس مال کو کہتے ہیں جس پر اس کے مرحوم مالک یا مالکہ کا حقِ ملکیت ختم ہو جائے، اور جو مرنے والے کے تمام قرض ادا کرنے اور کفن دفن کے اخراجات کے بعد باقی رہ جائے۔''

کوئی بھی زندہ شخص اپنے خونی رشتوں میں وراثت تقسیم نہیں کر سکتا ہے۔ قرآن کریم میں بیان کردہ شرعی حصص کا اطلاق ''ترکہ'' کے مال پر ہوتا ہے، ملکیت کے مال پر نہیں۔

ہاں! اگر کوئی شخص اپنی موجودگی میں جائیداد اولاد میں تقسیم کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے شریعت میں صرف یہ راستہ ہے کہ —وہ جائیداد اپنی اولاد میں برابر برابر ہبہ* کر دے اور ہبہ کرتے وقت بیٹی اور بیٹے کے حصے میں کسی قسم کی تخصیص نہ ہو۔

باپ کی وفات کے بعد جائیداد کے تنازعے میں خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ واقعات عام ہیں کہ تقسیم کے وقت اکثر حق تلفی ہوتی ہے۔ خصوصاً بھائی چھوٹے بہن بھائیوں بالخصوص بہنوں کو حصہ نہیں دیتے یا بمشکل دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''یتیموں کے مال ان کو واپس کر دو۔ اچھے مال کو برے مال سے نہ بدل لو اور ان کے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''

(النسآء : ۲)

حق تلفی جیسے مضر رویوں کے پیچھے اہم کردار تربیت کا ہے اور تربیت ہی کے ذریعے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اولاد کی تربیت کرتے وقت ان کو حقوق کی اہمیت اور حق تلفی کے منفی اثرات سے آگاہ کرنا چاہئے، وہ بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کے حقوق کو تسلیم کریں، ان کے اندر شراکت داری کا احساس ہو، بتایا جائے کہ مذہب نے خواتین اور مرد کو کیا حقوق دیئے ہیں۔ یہ تربیت ابتدا سے ہوتی ہے اور اس کے لئے خود ماں باپ کو ان حقوق کا علم ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حقوق و فرائض متعین فرما دیئے ہیں تاکہ لوگوں میں اختلاف کی کوئی صورت نہ رہے۔

''مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو

* ہبہ (عطیہ، تحفہ)

ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اور یہ حصہ مقرر ہے۔ اور جب تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ بھلے طریق پر بات کرو۔ لوگوں کو اس بات کا خیال کرکے ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کیسے اندیشے لاحق ہوتے۔ پس چاہئے کہ تقویٰ اختیار کریں اور راستی کی بات کریں۔ جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں، درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔" (النسآء: ۷۔۱۰)

اگر بچوں کی تربیت الہامی تعلیمات کی روشنی میں کی جائے تو بلاشبہ کسی باپ کو اپنی زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کی پریشانی لاحق نہ ہوگی۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بارہا یہ بات مشاہدے میں آتی ہے — جو باپ وارثتی جھگڑے سے بچنے کے لئے جائیداد تقسیم کرنا چاہتا ہے، اس نے اپنے وقت پر اپنی بہن یا والدہ کو ان کے وراثتی حق سے محروم کیا تھا، ان کو شرعی حصہ

بیج — درخت

اگر تم اچھے مقصد کے لئے کھڑے ہو تو درخت بن جاؤ جو گلستان میں ہو یا صحرا میں، ثابت قدمی سے اکیلے کھڑا رہ سکتا ہے، اور اگر گر جاؤ تو بیج کی طرح گرو جو حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے زمین میں جاکر اگتا ہے اور دوبارہ درخت بن جاتا ہے۔

نہیں دیا۔ اور جو عورت اپنے وراثتی حق سے ساری زندگی محروم رہتی ہے، عموماً اس کے اندر اعتماد نہیں ہوتا کہ وہ بعد میں اپنے بیٹے کو وراثت میں بہن کے حق کی بابت تعلیم دے۔ یوں وہ پہلے باپ یا بھائی کے آگے بے بس ہوتی ہے، بعد میں بیٹے کے آگے بے بس ہو جاتی ہے۔

اگر ہر فرد قرآن کریم کو ترجمے کے ساتھ پڑھے اور صدقِ دل سے عمل کرے تو نہ صرف وہ اپنے حقوق سے آگاہ ہوگا بلکہ کسی کی حق تلفی سے بھی محفوظ رہے گا۔ فرمانِ الٰہی ہے،

"تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون نفع کے لحاظ سے تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیئے ہیں اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔" (النسآء: ۱۱)

ڈاکٹر نعیم ظفر

فاصلے جیتے اور مرتے ہیں

زندگی کے جتنے نقوش ہیں، وہ زمان و مکان کی اسکرین پر نمودار ہونے والے اجتماعی افسانے ہیں جن سے داستانیں رقم ہوتی ہیں۔

واقفِ اسرارِ کُن فیکون حضور قلندر بابا اولیاؒ کائنات کے ظاہر اور اس کی تخلیق کے مراتب پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں،

ہے ظرفِ مکاں ظرفِ زماں اے ساقی
ہر نقش ہوا میں ہے یہاں اے ساقی
یہ جام یہ شیشہ یہ قدح یہ مینا
یہ سب ہیں مگر یہ ہیں کہاں اے ساقی

کائنات کے پس پردہ فعال عناصر، عناصر میں مقداروں کی ترتیب اور زمان و مکان کے باہمی ربط کو بابا صاحبؒ نے سادہ الفاظ میں رباعی میں پرو دیا ہے۔ ہماری معلوم و نامعلوم کائنات، اس کے تشکیلی عناصر اور اِن کے مخفی فارمولے نہ جانے کب سے خلا کی بساط اور غیب، حاضر، غیب کی بیلٹ پہ رواں ہیں۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ رموز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جمادات، نباتات، حیوانات، دیدہ و نادیدہ مخلوق یا لاتعداد کہکشانی نظاموں میں مکین تخلیقات، جنات اور فرشتے — ان سب کے نقوش کا سورس زمان و مکان* میں دَور کرنے والی اطلاع (انفارمیشن) ہے۔ ہر مقام پر ذرّات* کی پیدائش اور نوعی اکائیت میں خدو خال اور صلاحیتوں کا فرق دراصل "مکانیت اور زمانیت" کے درجات کی وجہ سے ہے۔

حدیثِ قدسی ہے،

"میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے کائنات کو محبت سے تخلیق کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں۔"

مضمون کے تمام پہلو کسی نہ کسی طرح "میں پہچانا جاؤں" کے گرد گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس مرکز کا بنیادی مظہر "حرکت" ہے جسے

---

* زمان و مکان (ٹائم اسپیس) ذرّات (تخلیقی اکائی مثلاً بلّی، کبوتر، آم، چاند وغیرہ)

ہم کُن کہیں، فیکون کہیں، صفاتِ باری تعالیٰ کہیں، تجلی کا کوئی درجہ قرار دیں یا نور کی لاتعداد اقسام پر معمور کریں، چوں کہ کسوٹی حرکت ہے اس لئے قاری کے لئے سمجھنا ضروری ہے کہ حرکت کا کون سا رخ زیرِ بحث ہے۔

شے میں حرکت کا رخ بیک وقت ساکن، محوری یا طولی ہو سکتا ہے۔ رخوں کی صحیح تعداد کسی بھی زون میں رہنے والے فرد کے دیکھنے کی صلاحیت پر منحصر ہے۔ بالفاظ دیگر کسی فرد کے کھڑے ہونے کی پوزیشن اور حرکت کا رخ کیا ہے، اس سے دیکھنے کا تعین ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہاڑ کو دیکھنے کے مختلف شہودی زاویوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔

"اور تم پہاڑ کو دیکھتے ہو تو گمان کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں، یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔" (النمل: ۸۸)

رباعی کے آخری مصرعہ میں تخلیق کے زون کے محل وقوع پر تفکر کی دعوت ہے۔ تخلیق کے مختلف phase کہاں عیاں اور کہاں نہاں ہیں، ایسی طرز فکر رکھنے والے خواتین و حضرات کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے باری باری سے آنے میں اولی الالباب کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔"

(اٰل عمرٰن: ۱۹۰۔۱۹۱)

قرآن کریم میں ایسی ہستیوں کا ذکر ہے جنہوں نے زمان و مکان (ٹائم اینڈ اسپیس) کی بیلٹ پر مظہر بننے والے حوادث و واقعات پر غور کیا۔ ان میں ایک نام پیغمبر حضرت عزیرؑ کا ہے۔

"یا پھر مثال کے طور پر اس شخص کو دیکھو جس کا گزر ایک ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔ اس نے کہا، یہ آبادی جو ہلاک ہو چکی ہے، اسے اللہ کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا۔ اس پر اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ سو برس تک مردہ پڑا رہا۔ پھر اللہ نے اسے دوبارہ زندگی بخشی اور اس سے پوچھا، بتاؤ کتنی مدت پڑے رہے ہو؟ اس نے کہا، ایک دن یا چند گھنٹے رہا ہوں گا۔ فرمایا تم پر سو برس اسی حالت میں گزر چکے ہیں ۔ اب ذرا اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو کہ اس میں ذرا تغیر نہیں آیا۔ دوسری طرف اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دینا چاہتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ ہڈیوں کے

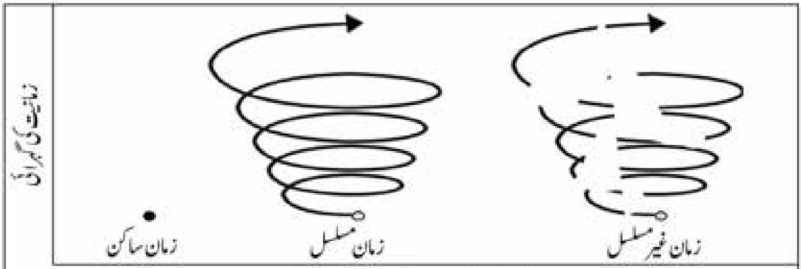

شکل نمبر (۱) زمان کے بہاؤ کی تین جھلکیاں۔ تفصیلات مضمون کے مختلف حصوں میں دی گئی ہیں۔

اس پنجر کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست اس پر چڑھاتے ہیں۔ اس طرح جب حقیقت اس کے سامنے نمایاں ہوگئی تو اس نے کہا، میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

(البقرۃ: ۲۵۹)

یہ آیت اپنے تئیں ایک نصاب ہے۔ اس کے ایک ایک جملے پر غور کرنے سے تخلیقی فارمولوں کی لاشمار جہتیں سامنے آتی ہیں۔

قارئین! آیت میں برگزیدہ بندے کی خواہش اور اللہ تعالیٰ کی عطا پر تفکر کریں اور تلاش کریں کہ ہماری عدم تکمیل کا خلا کہاں ہے؟

ابدالِ حق رباعی میں فرماتے ہیں کہ زندگی کے جتنے نقوش ہیں، وہ زمان و مکان کی اسکرین پر نمودار ہونے والے اجتماعی افسانے ہیں جن سے داستانیں رقم ہوتی ہیں۔ ہر دور میں فسانے بدلتے ہیں جو آبادی کو ویرانہ، ویرانے کو آبادی، شہر کو صحرا، صحرا کو شہر، عظیم الشان تہذیب مایا کو گھنا جنگل، گھنے جنگل کو میکسیکو، برف کے بلند و بالا گلیشیر کو ٹورنٹو، سرخ پتھروں کی نامعلوم تہذیب کو گلیشیر اور اٹلانٹس کے براعظم کو بحرِ اوقیانوس میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ بحرِ اوقیانوس کس میں تبدیل ہوگا، یہ وقت بتائے گا۔

محدود نگاہ ساکن شے کو متحرک اور متحرک کو ساکن قیاس کرتی ہے۔ کائنات کے تخلیقی مراحل میں ابدالِ حق کی شہرہ آفاق تصنیف "لوح و قلم" کا مطالعہ کیا جائے تو زمان کی تقریباً تین طرزیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ زمان مسلسل (Continuous)

۲۔ زمان غیر مسلسل (Discreet)

اگر رفتار کو بھی پیمانہ بنالیں تو

۳۔ زمان ساکن (Stationary)

شکل نمبر (ا) میں تینوں طرزیں تمثیلاً دکھائی گئی ہیں۔ دراصل طرز بیان میں فرق زاویۂ نگاہ کا ہے۔ غیب، ظاہر، غیب کے دورانیے میں فاصلے جیتے اور مرتے ہیں۔

سلسلے وار مضمون ”فاصلے جیتے اور مرتے ہیں“ میں زمان و مکان کے درجات، نظریۂ اضافیت، شہرہ آفاق محققین کے نظریات میں الہامی کتابوں سے لی گئی مدد، علمِ ہیئت، فزیالوجی، سائیکالوجی اور لاشعور کے مابین تعلق، کُن فیکون سے لے کر ظاہری زندگی تک فرد کی بصارت کے ضعف (ناتوانی) کا جائزہ لیا جائے گا۔ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ محدود حواس میں رہنے والوں کی کوتاہ نظری کے بارے میں فرماتے ہیں،

”زمین اور آسمانوں میں کتنی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں دیتے۔“ (یوسف: ۱۰۵)

گم شدہ تاریخ کے محفوظ رہ جانے والے پنّے بتاتے ہیں کہ ٹیکنالوجی کے ہر دور میں (پتھر کا دور، لوہے کا دور یا فی زمانہ سلیکان کا دور) عام آدمی یا محقق ــــ آدم، زمین اور آسمان کے مابین تعلق جاننے کے لئے کوشاں رہا ہے۔ محقق نے تصورات کے ان گنت عکس بنا کر متعدد طرزوں میں علوم کے شعبے ترتیب دیئے جو زمان و مکان کی آنکھ مچولی میں حوادث کا شکار ہوگئے۔ بہت سی تہذیبوں کے حالات صرف الہامی کتابوں سے معلوم ہوتے ہیں۔

ماضی کے کچھ شاہکاروں کے آثار آج بھی ملتے ہیں جیسے سطح سمندر سے چار کلومیٹر بلند پہاڑوں پر (وادیِ انکا۔ پیرو)، ریگستانوں میں سطح سے لے کر کئی سو فٹ زمین کے اندر دفن عہدِ فراعین، ملکہ سبا بلقیس کے محلات، آبادیوں کے نشان اور سونے کی کانیں وغیرہ۔ دوسری طرف سمندروں نے ماضی کے ان گنت راز چھپائے ہوئے ہیں کہ جب یہ منظرعام پر آتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ٹائٹینک کے نام سے ٹیکنالوجی کے شاہکار بحری جہاز (کروز) کے آثار شمالی اٹلانٹک سمندر میں کم و بیش ساڑھے تین کلومیٹر کی گہرائی میں موجود ہیں۔ جب بیسویں صدی کی ابتدا میں ڈوبنے والے اس جہاز کو تلاش کیا گیا تو اس مہم میں جہاز کے مختلف زنگ خوردہ حصے اور کثیر تعداد میں نامعلوم قسم کے بیکٹیریا ملے۔

سمندر کی دنیا خشکی سے زیادہ وسیع ہے۔ سمندر کا فرش، ان میں گہری درزیں، میٹھے اور گرم پانی کے چشمے اور سینکڑوں میٹر طویل سرنگیں۔ گوگل

نامی کمپنی کا تحقیقی گروپ سمندر کے اندر کی دنیا کے کئی نقشے بنا چکا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ لاکھوں سالوں پر محیط زیر سمندر ان گنت ادوار کے یہ آثار، اپنے اپنے عہد کا مکمل انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ ان میں سب سے مشہور فلسفی ارسطو سے منسوب اٹلانٹس تہذیب کے محیر العقول آثار ہیں۔ آپ چاہیں تو اس بارے میں ڈسکوری ٹی وی چینل پر معلومات سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

دور حاضر میں شہودی طرز اور تلاش کا ذوق تدریسی نصاب کی شکل اختیار کرچکا ہے۔ رائج شہودی طرزیں، طریقِ تعلیم، درسی نصاب کے ساتھ ساتھ آج کے طالب علم، استاد، محقق اور ٹیکنالوجسٹ ایسی طرز فکر کی جانب میلان رکھتے ہیں جس کا محور مادہ (matter) ہے۔ ان کا مقصد مادے کے باطن سے واقف ہونا ہے۔ اس کے لئے تعلیم کے مراحل تشکیل دیئے گئے ہیں۔ پرائمری، سیکنڈری، ہائر سیکنڈری، بیچلرز، ماسٹرز، پی ایچ ڈی اور پوسٹ پی ایچ ڈی میں رائج کورس، تجزیے اور تجربات وغیرہ۔

ہم تحقیق و تلاش (سائنس) کے جس مقام پر کھڑے ہیں، اس کا ثمر کاوشوں کے تسلسل کا نتیجہ ہے۔ جیسے نسل در نسل ہمت اور استقامت سے ریسرچ، فرسودہ نظریات کے مقابلے میں نئے نظریات کا دفاع، جانی و مالی قربانیاں اور تعصبات کا مقابلہ۔ اس جہد کے نتیجے میں مادے (matter) کے پیچھے کام کرنے والے مائیکرو مادی فارمولوں کا انکشاف اور نئی نئی ایجادات ہوئیں۔

مادی حوالے سے بات کریں تو محقق کی اپروچ کو matter میں تصرف گردانا جاسکتا ہے۔ البتہ اکیسویں صدی کی ابتدا سے تواتر سے ہونے والے آسمانی و ارضی حوادث نے محققین کے نظریات کو زمین بوس کرنا شروع کردیا ہے جس کے بعد بنیادی سوال اب خود تحقیق و تلاش (سائنس) اور ٹیکنالوجی کی پالیسی پر ہے۔ جیسے،

- حقیقتِ ثابتہ سے کتنا پردہ اٹھا؟
- صرف ہماری زمین پر موجود سمندر، ارضی پلیٹیں، آتش فشانی لاوا، ریگستان، جنگلات، گلیشیر اور پہاڑ وغیرہ کی کیا اہمیت ہے؟
- آدمی کتنا سکون آشنا ہے؟

سکون کا اندازہ ساکنانِ ارض کے ہر فرد کی صحت، سوچ، عمل، ایجادات اور حالیہ تہلکہ خیز زمینی حقائق سے لگایا جاسکتا ہے۔ (قسط: ۱)

زیر سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری

برائے خواتین

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طالبات وطلبہ کے لئے عظیمی صاحب کی کُتب اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

فری ممبر شپ
فری مطالعہ

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

عابد محمود

کٹھ پتلی تماشہ

سڑک پر بیٹھا چند سکّوں کو بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ اذیت کا احساس رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ دوبارہ پُر امید نظروں سے دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی نظر آ جائے مگر اس گلی میں لوگوں کا آنا جانا کم تھا جب کہ مصروف شاہراہوں پر بھکاریوں کے اپنے اپنے گروپ تھے۔

پریشانی کے عالم میں چلتے چلتے نڈھال ہوا تو سڑک کنارے فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا۔ نقاہت سے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ قریب ایک گداگر بھیک کے لئے صدائیں دے رہا تھا۔

جو دے اس کا بھلا

جو نہ دے اس کا بھی بھلا

خیال ذہن سے گزرا کہ جب دینے اور نہ دینے کی صورت میں بھلائی کی دعا ہے تو پھر یہ مانگتا کیوں ہے۔ خاموشی سے کیوں نہیں بیٹھتا؟

میری حالت گداگر سے بھی ابتر تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر صدا تیز کر دی اور تھوڑا فاصلے پر بیٹھ گیا۔ راہ گیر اس کی جھولی میں سکّے ڈالتے ہوئے گزر رہے تھے۔ بعض نے مجھے بھی بھکاری سمجھا اور میری طرف سکّے پھینکے۔

نقاہت سے میری حالت غیر ہو رہی تھی۔ جب گداگر کو محسوس ہوا کہ اس کی دکان داری پر کوئی قبضہ جمانے آ گیا ہے تو وہ اٹھا اور میرے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں پوچھا، کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟

میں نے نحیف آواز سے کہا، بھائی! کچھ دیر آرام کی غرض سے بیٹھا ہوں۔ چکر آ رہے ہیں۔

شکل اور لباس سے بھکاری لگتے ہو۔ مجھے بغور دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔

ہم مزدوروں کی زندگی بھی عجیب ہے۔ جس دن مزدوری نہیں ملتی، گھر کا چولہا نہیں جلتا۔ مہینے میں دس دن تو ایسے گزر ہی جاتے ہیں۔ آج دو دن ہو گئے ہیں، کھانا نہیں کھایا۔ نقاہت کی وجہ سے مزدوری کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ میری آواز

اور لہجہ مایوس تھا۔

کیا یہاں بھیک مانگنے بیٹھے ہو؟ گداگر نے چبھتے ہوئے لہجے میں گھورتے ہوئے پوچھا۔

میں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور بھرّائی ہوئی آواز میں بولا، بھائی! میں بھکاری نہیں ہوں۔ حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہوں۔ بچی بھوکی ہے، بیوی بخار سے تپ رہی ہے۔ اگر دوائی نہ ملی تو وہ مر جائے گی۔

لجاجت بھری آواز سن کر اس کو یقین ہونے لگا کہ میں واقعی بھکاری ہوں اور بھیک مانگنے کے ارادے سے بیٹھا ہوں۔

وہ خونخوار لہجے میں بولا، تو میں کیا کروں؟ مر جائے! تمہیں یہاں بیٹھنے نہیں دے سکتا۔ استاد جیرے نے دیکھ لیا تو تمہارے ساتھ میری چمڑی بھی ادھیڑ دے گا۔

استاد جیرا کون ہے؟ میں نے پوچھا۔

یہ علاقہ استاد جیرے کے قبضے میں ہے۔ یہاں صرف اس کے لگائے ہوئے بندے بھیک مانگتے ہیں۔ تم اس کی اجازت کے بغیر یہاں ڈیرا نہیں جما سکتے۔ جگہ بدلنی پڑے گی، نہیں تو استاد جیرے کو فون کروں گا اور تم اس علاقے میں کیا—— دور دور تک نظر نہیں آؤ گے۔

میری آنکھوں میں حیرت دیکھ کر وہ بولا، تو اس طرح نہیں مانے گا۔ وہ جیب سے موبائل فون نکال کر نمبر ملانے لگا۔

میں نے اسے روک دیا اور اٹھتے ہوئے کہا، بھائی! میں پہلے ہی حالات کا مارا ہوا ہوں، تم کس مصیبت کو میرے پیچھے لگا رہے ہو۔ جا رہا ہوں۔

افلاس زدہ جسم کو گھسیٹتا ہوا شہر کی مرکزی شاہراہ چھوڑ کر ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ چاہتا تھا کہ چند پیسے مل جائیں۔ بغیر پیسوں کے گھر جانے کی ہمت نہیں تھی۔ بیوی کو افلاس کے ہاتھوں سسک سسک کر مرتے، بیٹی کو بھوک سے تڑپتے اور اس کی امید بھری آنکھوں کے دیے بجھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

بھکاری کے ساتھ گزرا وقت اور لوگوں کا اپنی جھولی میں سکّے ڈالنے کا منظر یاد آیا تو اک نئی راہ سوجھی۔ دیر تک گلی کے نکڑ پر لگے کھمبے کا سہارا لئے سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا تو کیمرے کی طرح کوئی آنکھ مجھے دیکھ رہی تھی۔

مرکزی شاہراہ سے دور سڑک کے کنارے گندے کمبل کی بکل مارے، سامنے کاسہ رکھا اور

ہمت کر کے پہلی صدا دی،

اللہ کے نام پر کچھ دیتا جا!

اپنی آواز کہیں دور گہرے کنوئیں سے آتی سنائی دی — میری آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ انا کو مارتے ہوئے دوبارہ صدا دی —

اللہ کے نام پر کچھ دیتا جا!

ایک راہ گیر نے میری طرف دیکھا اور میرے جسم سے اٹھنے والے بدبو کے بھپکے محسوس کر کے ناک پر رومال رکھتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ میں نے پیچھے سے صدا لگائی،

"اللہ کے نام پر بابو۔ میری بیٹی بھوکی ہے۔
اس کی ماں موت و حیات کی کشمکش میں ہے۔
اللہ کے واسطے میری مدد کرو۔"

آواز میں التجا کم اور بڑبڑاہٹ زیادہ تھی۔ شاید صدا منہ میں ہی رہ گئی تھی اس لئے اس نے پلٹ کر دیکھنا گوارا نہ کیا — میں بے بسی سے دور تک اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

زندگی کس موڑ پر لے آئی تھی۔ نقاہت نے مزدوری کے قابل بھی نہ چھوڑا۔ بے بس آدمی کا دل پھٹ کر سینے سے نکلنا چاہتا ہے مگر وہ اس پر بھی اختیار نہیں رکھتا۔ بیٹی اور بیوی کی شبیہ آنکھوں سے گزرتی اور میرے اندر کرب کی لہر تازہ ہو جاتی۔

ایک خاتون آتی ہوئی دکھائی دی۔ امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ گھریلو خاتون معلوم ہوتی تھی جو غالباً سودا سلف لینے نکلی تھی۔ میں نے سوچا کہ عورتیں ویسے بھی دینے کے معاملے میں رحم دل ہوتی ہیں، یہ ضرور میری مدد کرے گی۔ دل کو ڈھارس ہوئی۔ جیسے جیسے وہ قریب آرہی تھی، میری ہڑبڑاہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ قریب پہنچنے پر صدا دی،

اللہ کے نام پر باجی کچھ دیتی جاؤ!

اس نے رک کر پرس میں سے چند سکّے نکالے اور میری پھیلی ہوئی چادر پر رکھ دیئے۔ محض چند سکّے ضرورت کے لئے ناکافی تھے۔ میں نے حسرت سے اسے پھر چادر پر پڑے ہوئے سکّوں کو دیکھا اور صبر کر کے بیٹھ گیا۔

منظر تبدیل ہوا۔ دوپہر سے شام ہونے کو آئی تھی۔ ابھی تک سو روپیہ اکٹھا نہیں ہوا تھا۔ ادھر میری بیوی میلی چارپائی پر لیٹی، غنودگی کے عالم میں ہائے ہائے کر رہی تھی۔ وہ بھلی مانس زندگی کی تلخیوں کو میرے ساتھ خاموشی سے

سہتی آئی تھی۔ ہم دونوں چھوٹی چھوٹی بیماری ایک دوسرے پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ دوائی کے پیسے کہاں سے آئیں گے، یہ سوال ہمارے لئے ہمیشہ معمّہ تھا۔ گزشتہ رات میں نے اور بیٹی نے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کے ماتھے پر رکھ کر بخار کم کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں سڑک پر بیٹھا چند سکّوں کو بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ اذیت کا احساس رگ وپے میں سرایت کر گیا۔ دوبارہ پُرامید نظروں سے دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی نظر آجائے مگر اس گلی میں لوگوں کا آنا جانا کم تھا جب کہ مصروف شاہراہوں پر بھکاریوں کے اپنے اپنے گروپ تھے۔

منفی خیالات کی رَو تیز ہوگئی۔ میں معاشرے سے اپنا حق چھین لینا چاہتا تھا۔

اتنے میں ایک گاڑی آکر رکی۔ قیمتی لباس میں ملبوس ایک آدمی تفاخر سے اترا اور گاڑی کا دروازہ لاک کرنے لگا۔ میں نے پکارا،

اللہ کے نام پر کچھ دیتا جا بھائی!

آواز سنی ان سنی کرتے ہوئے وہ جانے لگا تو میں قدموں سے لپٹ گیا اور روتے ہوئے بولا، میری بانو نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا، اس کی ماں بھی بیماری میں سسک رہی ہے۔

پیر پکڑنے سے اس کی پتلون کی کریز خراب ہوئی تو غصے سے مجھے ٹھوکر مارتے ہوئے نازیبا الفاظ کہے۔ غصہ دیکھ کر سہم گیا اور پیر چھوڑ کر جلدی سے اپنی جگہ پر واپس آگیا۔

میں پیشہ ور بھکاری نہیں تھا۔ بھیک مانگنی بھی نہیں آتی تھی۔ ذلت کا احساس ہوتے ہی بے بسی پر گھٹنوں میں سر رکھ کر رو دیا۔

کچھ وقت گزرا تھا کہ گالوں پر چھوٹے چھوٹے ہاتھ محسوس ہوئے۔ چونک کر سر اٹھایا۔ سامنے میری بانو جتنی چھوٹی بچی کھڑی تھی۔

انکل آپ کیوں رو رہے ہیں؟

مجھے لگا کہ میری بانو دلجوئی کے لئے آئی ہے۔

اس کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا، کچھ نہیں بیٹی کچھ نہیں ہوا۔ اور آنسوؤں کی روانی تیز ہوگئی۔

وہ متذبذب نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی کہ جب کچھ نہیں ہوا تو میں کیوں رو رہا ہوں۔

انکل! روئیں نہیں۔ وہ گاڑی والے انکل اچھے نہیں ہیں۔ میں نے سب دیکھ لیا ہے۔ آپ یہیں رکیں، میں ابھی آتی ہوں۔

وہ ایک مکان چھوڑ کر دوسرے مکان کے گیٹ میں داخل ہوگئی۔ واپس آئی تو ہاتھ میں مٹی

کا گلک تھا جس میں بچے ریز گاری جمع کرتے ہیں۔

گلک میرے سامنے زمین پر دے مارا۔ ایک، دو اور پانچ روپے کے سکّے اور کچھ دس بیس اور سو روپے کے نوٹ فٹ پاتھ پر بکھر گئے۔ اس دوران میں بچی کے والد بھی آ گئے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ بیٹی گلک لے کر کہاں جا رہی ہے۔

یہ منظر دیکھ کر وہ مسکرا دیئے۔

بچی نے کہا، ابو! انکل رو رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ہوا مگر پھر بھی رو رہے ہیں۔ وہ گاڑی والے انکل نے ان کو مارا ہے۔

باپ نے کہا، گاڑی والے انکل نے برا کیا۔ اگر ہم کسی کی مدد نہیں کر سکتے یا اسے کچھ دے نہیں سکتے تو ہمیں اسے مارنا نہیں چاہئے اور نہ تضحیک کرنی چاہئے بلکہ خاموشی سے گزر جانا چاہئے۔

پھر بچی مجھ سے مخاطب ہوئی۔

انکل! یہ پیسے آپ لے لیں۔

قدرت نے بچی کو مددگار بنا کر بھیجا تھا۔

میں نے اس کے باپ کی طرف دیکھا تو اس نے مسکراتے ہوئے تائید کی۔

یک دم آواز آئی — کٹ!

یہ پروڈیوسر صاحب تھے۔

کٹ کی آواز کے ساتھ گداگر، خاتون، راہ گیر، گاڑی والا، بچی اور اس کے والد سب میرے گرد اکھٹے ہوئے اور تالیاں بجانے لگے۔

پروڈیوسر صاحب نے میرے پاس آتے ہی کہا، سر! یہ کردار آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دے گا۔ ہماری فلم انشاءاللہ سپر ہٹ ہو گی۔

میں نے مسکراتے ہوئے سب کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر بچی کا ماتھا چوما۔

فلم کے سیٹ (اسٹیج) سے اتر کر کیمرا مینوں اور دیگر عملے کی تالیوں کا ہاتھ اٹھا کر جواب دیتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور اپنی وینیٹی وین میں داخل ہو گیا جہاں سب سے پہلے میں نے غربت کا چولا اتارا۔ پھر بڑے ڈیزائنر کا بنایا ہوا اٹالین سوٹ پہن کر ڈریسنگ روم سے باہر نکلا تو سامنے بخشو چاچا چائے لئے کھڑے تھے۔

بخشو چاچا اس وقت کے رفیق تھے جب میں نیا نیا شوبز میں آیا تھا۔ وہ کرداروں کو روز اسٹیج پر چڑھتا اور اترتا دیکھتے تھے۔ کردار کو اس مقام سے دیکھتے تھے جو بعض اوقات کرداروں کو بھی یاد نہیں رہتا تھا۔ چائے کا کپ میرے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے بولے — بزرگ فرماتے ہیں،

"یہ ساری کائنات اسٹیج ڈراما ہے۔ اسٹیج پر کوئی

باپ ہے، کوئی ماں ہے ، کوئی بچہ ہے، کوئی دوست ، کوئی دشمن ، کوئی گناہ گار ہے اور کوئی پاک باز ہے ۔ دراصل یہ اسٹیج پر کام کرنے والے کرداروں کے مختلف روپ ہیں۔ جب ایک کردار یا سب کردار اسٹیج سے اترتے ہیں توسب ایک ہوجاتے ہیں اور ان کے اوپر سے دوئی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔"

دیکھو! اسٹیج پر نظر آنے والا لاچار ، بے بس اور محض ایک وقت کی روٹی کو ترسنے والا مزدور جسے حالات نے مانگنے پر مجبور کر دیا تھا، اسٹیج سے اترتے ہی امیر آدمی بن گیا ہے۔

میں نے مسکراتے ہوئے ان کی بات سنی۔ چائے پی کر کپ ٹرے میں رکھا اور کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا، بخشو چاچا! ایک کردار ادا کر کے اب میں دوسرا کردار ادا کر رہا ہوں۔ وہ کردار سچ ہے جو فلم کے سیٹ پر تھا یا یہ والا سچ ہے جو زندگی کے سیٹ پر ہے، زندگی کے سیٹ سے اترنے کے بعد یہ منظر بھی واضح ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر میں اپنی مرسڈیز کی طرف بڑھ گیا جہاں میرا شوفر دروازہ کھولے منتظر تھا۔ میں گاڑی میں بیٹھا اور زندگی کے اسٹیج پر اگلا کردار ادا کرنے، گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

دھنک

ہر اک دریچہ کرن کرن ہے
جہاں سے گزرے جدھر گئے ہیں
ہم اک دیا آرزو کا لے کر
بطرز شمس و قمر گئے ہیں
جو میری پلکوں سے تھم نہ پائے
وہ شبنمیں مہرباں اجالے
تمہاری آنکھوں میں آگئے تو
تمام رستے نکھر گئے ہیں
وہ دور کب تھا حریمِ جاں سے
کہ لفظ و معنی کے ناز اٹھاتی
جو حرف ہونٹوں پہ آ نہ پائے
وہ بن کے خوشبو بکھر گئے ہیں
خزینے جاں کے لٹانے والے
دلوں میں بسنے کی آس لے کر
سنا ہے کچھ لوگ ایسے گزرے
جو گھر سے آئے نہ گھر گئے ہیں
جب اک نگہ سے خراش آئی
زمانے بھر سے گلہ ہوا ہے
جو دل دکھا ہے تو رنج سارے
نہ جانے کس کس کے سر گئے ہیں
شکست دل تک نہ بات پہنچی
مگر اداؔ کہہ سکو تو کہنا
کہ اب کے ساون دھنک سے آنچل
کے رنگ سارے اتر گئے ہیں

(کلام: اداؔ جعفری)

ساکن تالاب ۔۔۔؟

مردہ زمین کا مطلب زندگی کا خوابیدہ حالت میں موجود ہونا ہے۔ مردہ زمین میں حرکت اور زندگی کے اجزا موجود لیکن ظاہر نہیں ہیں۔ جب لاشعور سے بارش کی شکل میں کرنٹ منتقل ہوتا ہے تو زمین کی نس نس میں برقی رَو دوڑتی ہے اور ساکن حرکت کو بیدار کر دیتی ہے۔

وہ تمام چیزیں جن کی حرکات و سکنات اور زندگی کا نظام ہماری طرح ہے، وہ زندہ ہیں۔ ہماری طرح سے کیا مراد ہے، یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے۔ نازک تنکا تناور درخت بن جاتا ہے۔ یہ تنکا لکڑی کا بچپن ہے اور درخت کا تنا اور شاخیں اس کی عمر کے بقیہ ادوار ہیں۔ تنکے میں حرکت اتنی کم یا اتنی تیز ہے کہ ہمیں نظر نہیں آتی۔

خالقِ کائنات نے ہر تخلیق کا یکساں نظام رکھا ہے۔ آنکھ، کان، ناک، منہ، زبان، ہاتھ، پیر، دل، جگر، پھیپھڑے، دماغ، آنتیں، مثانہ، تلّی، گردے سب میں ہیں، ان کی شکل مختلف ہے مگر ان اعضا کا کام جن افعال کی انجام دہی ہے، وہ افعال ہر تخلیق میں موجود ہیں۔

کوئی یہ کہے کہ پودوں کے ہاتھ پیر نہیں ہوتے تو جواب یہ ہے کہ پودے اپنی حسیات، خارج ہونے والے مادے اور جڑوں سے ہاتھ پیر کا کام لیتے ہیں۔ جن مقامات میں دور تک پانی نہیں ہوتا، وہاں درخت کی جڑیں زمین کے اندر پھیل یا اتر کر پانی تک رسائی حاصل کرتی ہیں۔

شیفرڈ نامی درخت افریقا کے صحرا کالاہاری میں پایا جاتا ہے۔ اس کا شمار دنیا کے عظیم صحراؤں میں ہوتا ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً نو لاکھ مربع کلو میٹر ہے۔ یہ بوٹسوانا، نمیبیا اور جنوبی افریقا میں پھیلا ہوا ہے۔ کنوئیں کی کھدائی کے دوران یہاں پر شیفرڈ کی جڑیں زمین میں 70 میٹر (230 فٹ) گہرائی میں ملیں۔ یہ وہاں کیسے پہنچیں؟

جڑوں کو پھیلنے اور زیر زمین چٹانوں میں جگہ بنانے کے لئے قوت اور اندر کے درجۂ حرارت

کو برداشت کرنے کی صلاحیت چاہئے۔ جڑوں کو کس نے بتایا کہ زمین میں پانی کہاں ہے —؟

سادہ اور جامع جواب یہ ہے کہ ان جڑوں میں زندگی ہے، حواس* ہیں، یہ لاشعور کی آواز سنتی ہیں اور اس کی راہ نمائی میں چلتی ہیں۔

نباتات میں افزائشِ نسل کا سلسلہ زندگی کی واضح نشانی ہے۔ تحقیق و تلاش (سائنس) کے مطابق وہ مواد جس سے حیوانات و نباتات کے اجسام کی تشکیل ہوتی ہے، نخزمایہ* کہلاتا ہے۔ اس میں کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، سلفر، لوہا، کیلشیم اور جسم کی بناوٹ کے لئے دوسرے ضروری عناصر شامل ہیں۔

تحقیق و تلاش کہتی ہے کہ اگر خوردبین سے حیوانات و نباتات کے رگ و ریشے کا معائنہ کریں تو ہمیں ہر جگہ پروٹوپلازم ملتا ہے مگر اقسام مختلف ہوتی ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بیشتر حیوان (گائے، بھینس، بھیڑ، بکری وغیرہ) ایک ہی قسم کی غذا کھاتے ہیں جو ہضم ہو کر تیزابی مواد میں تبدیل ہوتی ہے۔ یہ مواد انتڑیوں میں جذب ہو کر گوشت بناتا ہے ۔ تیزابی مادے انتڑیوں میں جذب ہونے سے پہلے خاص قسم کی ترتیب میں یکجا ہوتے ہیں۔ اصل چیز یہ ترتیب ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو غذا بے کار ہو جائے گی۔

یہ سب کس نظام کے تحت ہے اور اس نظام کو کون چلا رہا ہے —؟ محقق کہتے ہیں کہ حیات ایک گھڑی کی طرح ہے جس کی چابی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے، توانائی گھٹ رہی ہے اور اس میں دوبارہ کوک بھرنے کا راستہ ہمیں معلوم نہیں۔

ماہر طبیعیات سر جیمز جینز نے لکھا کہ کائنات کو دانش و حکمت کے مالک نے تخلیق کیا ہے۔ آغازِ تخلیق کے متعلق انہوں نے کہا کہ،

> ”تمام اشیا کا آغاز شاید یوں ہوا کہ اللہ نے اثیر کے ساکن تالاب کو حرکت دے کر زندگی کی لہریں اٹھا دیں۔“

زندگی سے زندگی جنم لے رہی ہے ۔ ایک محقق کی تحریر پڑھی جس نے لکھا تھا کہ،

> ”کائنات میں ایک ایسی مثال موجود نہیں کہ زندگی موت سے نکلی ہو۔ آغاز میں جب زمین آفتاب سے نکلی تھی تو آفتاب جتنی گرم تھی اور اس پر زندگی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔“

یہ کہنا کہ زمین آفتاب سے نکلی، محققین کے

---

* حواس (سننا، دیکھنا، بولنا، سمجھنا، حرکت) * نخزمایہ (Protoplasm۔ جیلی نما مواد)

ایک گروہ کا نقطۂ نظر ہے جو اس وقت موضوعِ بحث نہیں تاہم سوال یہ ہے کہ کیا آفتاب خود ایک زندگی نہیں ہے؟ طلوع و غروب، خلا میں معلق رہنا اور چاند، سورج، ستاروں کا اپنے اپنے مدار میں تیرنا کیا زندگی کے شواہد نہیں؟

الہامی کتابوں میں زندگی اور موت کا تصور مختلف ہے۔ رب العالمین اللہ کا ارشاد ہے،

"بے جان میں سے جاندار کو نکالتا ہے اور جاندار میں سے بے جان کو، اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔" (آل عمرٰن: ۲۷)

موت سے مراد مرنا نہیں ہے، ایک عالم سے دوسرے عالم اور ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونا ہے۔ تحقیق و تلاش کی رُو سے گٹھلی مردہ چیز ہے اور زندگی کے آثار سے خالی ہے لیکن اس میں سے درخت نکل آتا ہے جو پھل دیتا ہے۔ قرآن کریم میں مردہ زمین پر بارش برسانے کا ذکر ہے جس سے روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ مردہ زمین کا مطلب زندگی کا خوابیدہ حالت میں موجود ہونا ہے۔ مردہ زمین میں حرکت اور زندگی کے اجزا موجود لیکن ظاہر نہیں ہیں۔ جب لاشعور سے بارش کی شکل میں کرنٹ منتقل ہوتا ہے تو زمین کی نس نس میں برقی رَو دوڑتی ہے اور ساکن حرکت کو بیدار کر دیتی ہے۔

"وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے، پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر ہم اسے ایک اجاڑ علاقے کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے اسی زمین کو جِلا اٹھاتے ہیں جو مری پڑی تھی۔ مرے ہوئے انسانوں کا جی اٹھنا بھی اسی طرح ہو گا۔" (فاطر: ۹)

زندگی کی وسعت پر نظر ڈالیں تو ہمیں کروڑوں قسم کے ڈھانچے اور شکلیں نظر آتی ہیں۔ غور طلب ہے کہ تمام ذی حیات کے اجسام کی تشکیل ایک مادے سے ہوئی ہے پھر اشکال اور عادات میں اختلاف کیوں ہے؟

خلیے ہر جگہ خلیے ہیں مگر ان کا فعل ایک نہیں ہے۔ کچھ اعصاب، کچھ اعضا اور کچھ غذا کو ہضم کرنے کے لئے رطوبت بناتے ہیں۔ خلیوں کی الگ الگ ترتیب سے برف، بادل، پہاڑ، وہیل، ہاتھی، چیونٹی اور آدمی تیار ہوتے ہیں۔ خلیوں کو ترتیب دینے والا کون ہے اور اس ترتیب میں کیوں کبھی کوئی غلطی نہیں ہوتی؟

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر

آتا ہے؟" (الملک: ۳)

چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق ابتدا میں انڈا یا خلیہ ہوتی ہے۔ پھر انڈا یا خلیہ تقسیم در تقسیم ہو کر ریڑھ کی ہڈی بنتے ہیں، کہیں دل، کہیں دماغ، کہیں جگر اور کہیں رطوبتیں بن جاتے ہیں اور اپنے اپنے فرائض سنبھال لیتے ہیں۔ ان خلیوں اور انڈوں کو دل و دماغ جیسی مشینوں میں ڈھلنے کا فن کس نے سکھایا؟

خلیات کی نشوونما پر نظر ڈالیں تو ان میں ارتقا کی تاریخ جھلکتی ہے۔ ایک جانور ان تمام منازل سے گزرتا ہے جو ان کی نوع نے ابتدا سے اب تک طے کی ہیں۔ یہ وہی کرتے ہیں جو ان کے آباؤاجداد نے کیا ہے۔

ایل مچھلی ندی میں پیدا ہوتی ہے۔ پھر نجانے دماغ میں کیا آتا ہے کہ وہ گھر سے نکل کر مختلف ندیوں اور دریاؤں سے ہوتی ہوئی سمندر میں پہنچ جاتی ہے اور وہاں سے جزائر برمودا کا رخ کرتی ہے۔ یہ جزائر امریکا کے ساحل سے چھ سو میل مشرق میں واقع ہیں۔ ایل کا یہ سفر تین سال میں ختم ہوتا ہے۔ وہاں یہ سمندر میں انڈے دے کر مر جاتی ہے۔ انڈوں سے بچے نکلتے ہیں جو ہزاروں میل کا سفر کر کے اسی ندی میں پہنچتے ہیں جہاں سے ان کے والدین آئے تھے اور مرنے سے کچھ عرصہ پہلے یہ برمودا جزائر واپس چلے جاتے ہیں۔

بحرالکاہل کے بعض جزائر میں ایسے پرندے ہیں جو کہیں اور نظر نہیں آتے۔ تحقیق کرنے والوں کو معلوم ہوا کہ جنوبی امریکا کا ایک پرندہ پلوور ہر سال سرما کے آغاز میں بحرالکاہل کے جزیروں میں جاتا ہے اور سردیاں گزار کر واپس آجاتا ہے۔ کم و بیش دو ہزار میل کی یہ مسافت وہ ایک اڑان میں طے کرتا ہے۔ مزید حیرانی اس وقت ہوئی جب دیکھا کہ ان کے بچے پہلی دفعہ اس سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو والدین کی راہ نمائی کے بغیر منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔

۱۔ بحر و بر میں ایل اور پلوور کی راہ نمائی کون کرتا ہے—؟

۲۔ پروٹوپلازم اور خلیے جن کو ہم جسم کی ابتدا سمجھتے ہیں، کیا یہ زندگی کا جوہر ہیں؟

۳۔ کیا وجود میں حرکت ان کے دَم سے ہے؟

۴۔ جب یہ نہیں تھے اور پھر یہ پیدا ہوئے تو ان کو کس نے بنایا اور وہ کون ہے جو ان کو تشکیل دے کر غائب کر دیتا ہے؟

علم الجنین (رحم مادر میں بچے کی تشکیل کا علم) کے طلبا کے سامنے یہ حقیقت ہوتی ہے کہ پروٹو

پلازم اور خلیوں کے علاوہ کچھ اور ہے جو خلیے کو کھربوں خلیوں میں تقسیم کر دیتا ہے ___ یہ خلیے کا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ اس نظام کے تحت ہے جو ماورائی ہستی نے کائنات کے لئے بنایا ہے۔

طبیعیات اور کیمیا کا نظام ہر مخلوق میں کام کرتا ہے مگر کیمیائی عناصر میں کوئی حرکت اپنی نہیں ہے۔ یہ عناصر مخلوق ہیں، پیدا ہوتے ہیں، جوان ہوتے ہیں، بوڑھے ہوتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں۔ غائب ہونے والی شے بے جان نہیں ہوتی، وہ دوسرے عالم میں منتقل ہو کر کائنات میں اپنی بقیہ زندگی کا آغاز اسی طرح کرتی ہے جس طرح اس سے پہلے عالم میں کیا تھا۔

یہاں کوئی شے بے جان نہیں ہے۔ سب میں توانائی، حرکت اور زندگی ہے اور یہ زندگی خالقِ کائنات اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر اور تدبیر کے ذریعے کائنات اور حیات کا سفر بلا تعطل جاری ہے۔

اگر کوئی مادہ پرست محقق سنجیدگی سے نظامِ کائنات میں غور کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ ہر مظہر اس حقیقت کی تصویر ہے کہ کوئی ہستی موجود ہے جو اس نظام کو قاعدے اور ضابطے کے تحت چلا رہی ہے۔ ایک محقق ولیم میک برائیڈ نے کہا،

"کیا کوئی ذی شعور سنجیدگی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ کائنات میں نظم و ضبط قائم رکھنے والی اور منزل کی راہ دکھانے والی قوت جواہر کی اتفاقیہ آمیزش سے پیدا ہو گئی ہے؟ کیا کوئی ندی اپنے منبع سے بلند تر سطح پر بہہ سکتی ہے؟"

مناظر فطرت سے لطف اندوز ہونا اور ان سے استفادہ کرنا لیکن ان مناظر کے خالق سے واقف ہونے کی کوشش نہ کرنا الوژن میں رہنا ہے۔ ایسا فرد سمجھتا ہے کہ اسے راستہ مل گیا ہے جب کہ اسے راستہ نہیں ملتا۔ وہ سراب کی طرح چمک دمک کو پانی سمجھ لیتا ہے لیکن جب قریب پہنچتا ہے تو پانی وہاں نہیں ہوتا۔

دل کہ رنجید از کسی خرسند کردن مشکل است
شیشہ بشکستہ را پیوند کردن مشکل است
کوہ را با آن بزرگی میتوان ہموار کرد
حرف ناہموار را ہموار کردن مشکل است

ترجمہ: کسی رنجیدہ کو راحت پہنچانا اور ٹوٹے ہوئے شیشے کو جوڑنا آسان نہیں ہے۔ تم پہاڑ کو بلندی کے باوجود سر کر سکتے ہو لیکن جو الفاظ حقارت سے ادا کرتے ہو، ان کا ازالہ آسان نہیں ہے۔

چِت یا پَٹ؟

سپہ سالار اپنی فوج کے ساتھ دشمن پر حملے کے لئے روانہ ہوا۔ فوج تعداد میں دشمن کی فوج سے کم تھی لیکن سپہ سالار کو یقین تھا کہ ہم جیت جائیں گے۔ ماتحت افسران اور سپاہی اپنی تعداد کو لے کر پست ہمتی کا شکار تھے۔ سپہ سالار کو احساس تھا کہ لشکر چھوٹا ہے لیکن وہ جانتا تھا کہ جنگیں افرادیِ قوت سے نہیں، حکمتِ عملی اور یقین سے جیتی جاتی ہیں۔

راستے میں عبادت گاہ آئی۔ اس نے لشکر سے کہا، کچھ وقت یہاں عبادت کر کے محاذ پر روانہ ہوں گے۔ عبادت کے بعد لشکر سے خطاب کا ارادہ تھا۔ جیب سے سکّہ نکال کر وہ ساتھیوں سے مخاطب ہوا،

”ہم عبادت گاہ میں موجود ہیں۔ یقین ہمارا مرکز ہے۔ جنگ کا فیصلہ میدانِ جنگ میں نہیں، یہاں ہوگا۔ میں سکّہ اچھالوں گا۔ اگر چِت ہوئی تو یہ ہماری ہار کا اشارہ ہے اور اگر پَٹ ہوئی تو جیت ہماری ہے۔“

لشکر قسمت کے فیصلے کا منتظر تھا۔ سپہ سالار نے سکّہ اچھالا جو محوری و طولانی حرکت میں تیزی سے اوپر جاتا ہوا زمین کی طرف واپس آیا، سپہ سالار نے جھک کر سکّہ اٹھایا اور خوشی سے نعرہ لگایا— پَٹ ہوا ہے، جیت ہماری ہے۔ لشکر میں حرارت دوڑ گئی۔ سپاہیوں نے ہتھیار بلند کر کے فتح کا نعرہ لگایا۔ تعداد کا خیال ذہن سے نکلتے ہی لشکر میں جیت کا یقین غالب ہو گیا۔ وہ جوش و ولولے سے آگے بڑھے، میدانِ جنگ میں داخل ہوئے۔ بھرپور جنگ کی اور فتح سے ہمکنار ہوئے۔

جنگ کے بعد ایک افسر نے سپہ سالار سے کہا، اگر چِت ہوتی تو ہم ہار جاتے۔

سپہ سالار نے کہا، ٹھیک کہتے ہو۔ پھر مسکراتے ہوئے سکّہ اس کی طرف اچھالا۔

ماتحت افسر نے دیکھا کہ سکّے کے دونوں جانب ایک ہی نشان تھا۔

سپہ سالار بولا، کامیابی سکّے کی وجہ سے نہیں— یقین کی وجہ سے ملی ہے۔

نفیسہ شاکر

کالی بلّی ___ کالا بکرا

سوال ___ جواب

۱۔ درخت یا دیوار پر، کھڑکی کے قریب یا چھت پر صبح صبح کوّا اکیلا یا ساتھیوں کے ہمراہ کائیں کائیں کرتا ہے تو ذہن میں پہلا خیال کیا آتا ہے؟

۲۔ کالی بلّی راستہ کاٹ لے تو کیا آپ نظر انداز کر کے کام پر جاتے ہیں یا پلٹ آتے ہیں؟

۳۔ صدقہ کرنا ہے۔ سامنے سفید، بھورے اور سیاہ رنگ کا بکرا ہے، آپ کس رنگ کے بکرے کو فوقیت دیں گے۔ اگر جواب سیاہ ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا سفید اور بھورے رنگ کے بکرے کی قربانی قبول نہیں ہوتی؟

۴۔ تقریب رکھنی ہو اور آپ کے پاس 13 یا 18 تاریخ ہو۔ دونوں میں سے کون سی تاریخ کا انتخاب کریں گے؟

۵۔ رات کا وقت ہے۔ ماحول سنسان ہے۔ ایسے میں بلّی یا کتّے کے رونے کی آواز آتی ہے۔ اس وقت آپ کیا سوچتے ہیں؟

۶۔ جوابات لکھنے کے بعد مضمون پڑھئے۔

کالی بلّی سے گریز اور کالے بکرے کا صدقہ!

دونوں کا رنگ کالا ہے پھر ایک کے رنگ کو ناپسند اور دوسرے کے رنگ کو صدقے کے لئے ترجیح کیوں دی جاتی ہے___؟

ہماری ایک عزیزہ تھیں۔ وہ گھروں سے کوڑا کرکٹ لینے آنے والی خاتون کو گلاس میں پانی نہیں دیتی تھیں اور نہ رسّی پر بچھے ہوئے کپڑوں کے قریب آنے دیتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ ہمارے کپڑے ناپاک ہوجائیں گے۔ ان کے شوہر فخر سے بتاتے تھے کہ میری بیوی کی ایک بات بہت اچھی ہے، وہ جمعدارنی کو رسّی پر کپڑوں کے قریب سے بھی گزرنے نہیں دیتی۔

ایک بار گھنٹی بجی۔ میں سمجھ گئی کہ اس وقت دروازے پر کون ہوگا۔ کوڑا دان لے کر گئی۔ خاتون نے کوڑا دان خالی کیا۔

میں نے پوچھا، آپ پانی پئیں گی۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

گلاس میں پانی لے کر آئی تو ان کی آنکھوں

میں آنسو آ گئے۔ کہا، مجھے آج تک کسی نے گلاس میں پانی نہیں دیا۔ سب پلاسٹک کی بوتل پکڑا دیتے ہیں، تم شیشے کے گلاس میں پانی لے آئیں؟

بات سن کر میرے ہاتھ کانپ اٹھے۔ میں نے سوچا___ ہم اس قدر توہم پرست ہو گئے ہیں کہ صفائی کرنے والے کو حقیر سمجھتے ہیں۔

شکوک و شبہات اور اپنی پسند ناپسند کو حقیقت سمجھ لینا زندگی کے لئے مضر ہے۔ اس سے عقیدہ کمزور ہوتا ہے۔ شک، شک کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور زندگی فریب کی نذر ہو جاتی ہے۔

اوہام پرستی سماج کی رگوں میں سرایت کر چکی ہے، اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی ان پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ جانے انجانے میں محسوس اور غیر محسوس طریقے سے کمزور ذہن افراد کے اعتقاد کا حصہ بن جاتی ہے حالاں کہ یہ مغالطے کے سوا کچھ نہیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں وہم کی تشریح یہ ہے،

" لفظ وہم مادی اور غیر مادی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چناں چہ وہ اجتماعی اور انفرادی عقائد اور عادات جو دلائل پر مبنی نہیں ہوتے، اوہام پرستی ہیں۔"

عام اصطلاح میں وہم اس جبلت کا نام ہے جو پیش آنے والے واقعات کی اصل سے لاعلمی کی وجہ سے مافوق الفطرت اشیا سے منسوب کر لی جاتی ہے۔ توہمات معاشرتی لحاظ سے مضر، جہل پر مبنی اور بے بنیاد ہوتے ہیں۔ مثلاً نئے چاند کو پہلی دفعہ آئینے کے ذریعے دیکھنا، کالی بلّی کا راستہ کاٹنا، طوطے کی نکالی ہوئی فال پر یقین رکھنا۔

توہم پرستی کی ہزاروں شکلیں ہیں۔ ہر ملک اور طبقے کے لوگوں میں مختلف قسم کے توہمات پائے جاتے ہیں۔ جو چیز ایک جگہ مقدس ہے، دوسری جگہ اسے بدشگونی گردانا جاتا ہے۔ ایشیائی باشندے الّو کو تباہی کی علامت سمجھتے ہیں جب کہ مغرب والوں کے لئے یہ فلسفی پرندہ ہے۔

ذیل میں مختلف ممالک میں پائے جانے والے چند اوہام کا ذکر ہے۔ ان میں سے کچھ باقی ہیں اور کچھ متروک ہو چکے ہیں۔

فرانس میں کسی وقت میں پانی میں ڈوبنے والے شخص کی لاش کو روٹیوں سے ڈھانپ دیا جاتا تھا۔ کمسن بچے کی موت ہوتی ہے تو ماں بچے کی میت کے ساتھ کھلونے بھی دفن کرتی ہے تاکہ بچہ خود کو تنہا نہ سمجھے۔ ایک عقیدہ یہ ہے کہ

جب تک مَلّاحوں کی خواتین پانی کی سطح پھولوں کی چادر سے نہ ڈھانپ دیں، اس وقت تک مچھلی جال میں نہیں پھنستی۔

جرمنی میں اگر کوئی مکڑی جالا جھکائے اور جھکے ہوئے جالے کا رخ جس فرد کی طرف ہو تو یہ اس فرد کے لئے خوش قسمتی کی دلیل ہے۔ مکڑی جالا اونچا کر دے تو بد قسمتی سے منسوب کیا جاتا ہے۔

یونانی ماں بچے کو جھولے میں لٹانے سے پہلے اپنی پسند کا گیت گاتے ہوئے آگ کے سامنے چکر کاٹتی ہے تاکہ ناپاک چیزیں دور رہیں۔

اٹلی کے لوگوں کے مطابق کسی نوجوان لڑکی کے پیروں کے نقش سے مٹی اٹھا کر دوسری طرف پھینک دی جائے تو اس کی شادی نہیں ہوتی۔ یہ لوگ ایک سدا بہار پھول Periwinkle کو گلِ مرگ کہتے ہیں۔

اٹھارہویں صدی تک انگلستان کے لوگ اس وہم میں مبتلا تھے کہ اگر پھانسی دیئے جانے والے شخص کو پھانسی کے وقت حسین عورت شادی کا پیغام دے تو وہ پھانسی سے بچ جاتا ہے۔ یہ تحریر بھی نظروں سے گزری کہ انگریز ایک دیاسلائی سے تین سگریٹ بیک وقت نہیں جلاتے۔ وہ سمجھتے ہیں ایسا کرنے سے تیسرا آدمی مرجاتا ہے۔

ایک توہم یہ ہے کہ گھر میں شہد کی مکھیاں ہرے بھرے درخت کی کسی خشک شاخ پر چھتّا بنالیں تو جس گھر میں درخت ہے، اس سال اس خاندان میں کوئی موت واقع ہوگی۔ انگلستان کے باسیوں کے حوالے سے یہ بھی پڑھا کہ بعض خواتین گھر کے سامنے سے مٹی صاف نہیں کرتیں کہ کہیں خوش نصیبی رخصت نہ ہوجائے۔

چینی اثراتِ بد سے بچنے کے لئے گھروں میں درخت کی ٹہنیاں لٹکا دیتے ہیں۔ نئے شادی شدہ جوڑے کو تصوراتی غیر مرئی ریشمی دھاگے سے باندھتے ہیں۔ ان کا سمجھنا ہے کہ اس گرہ کو صرف موت کھول سکتی ہے۔

افریقا میں سانپ کو مار کر درخت سے لٹکا دیا جاتا ہے۔ وہ نوزائیدہ بچے کے ہاتھ سانپ پر ملتے ہیں تاکہ بچہ سانپ کے ڈسنے سے محفوظ رہے۔ سانپ کو مار کر درختوں پر لٹکانے کا رواج پاکستان کے کئی علاقوں میں بھی ہے تاکہ دیگر سانپ اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر وہاں سے چلے جائیں۔

اسکیمو قبائل کا خیال ہے کہ کتّا ہر جگہ راستہ معلوم کرلیتا ہے۔ جب ان کے یہاں کسی بچے کی موت ہوتی ہے تو میت کے ساتھ کتّے کو زندہ دفن کرتے ہیں تاکہ وہ بچے کی راہ نمائی کرے۔

آسٹریلیا میں بعض توہم پرست مردے کے ہاتھ پاؤں باندھ دیتے ہیں اور ناخن جڑ سے نکال دیتے ہیں تاکہ وہ قبر کھود کر باہر نہ نکل آئے۔

جاپان میں سفر پر جانے سے پہلے ناخن تراشنا منحوس سمجھا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک آگ میں ناخن پھینکنا ناگہانی آفت کو دعوت دینا ہے۔

ایران میں مرغ اذان دیتا ہے تو معلوم کیا جاتا ہے کہ اس کے پنجے گرم ہیں یا سرد۔ اگر سرد ہیں تو موت کی دلیل ہے اور اگر گرم ہیں تو سعادت مندی کی نشانی ہے۔

قدیم روسی مردے کے ہاتھ میں نیک چال چلن کی سند باندھ دیتے تھے تاکہ وہ جنت کے دروازے پر دربان کو اپنا اعمال نامہ دکھا سکے۔

سولہویں صدی میں ہسپانوی لوگوں کا خیال تھا کہ جہاں مکڑیاں کثرت سے ہوتی ہیں، وہاں سونا موجود ہوتا ہے۔

ترکی میں اگر کوئی شخص گلاب کے پتّوں کو گرتا دیکھے تو یہ بدقسمتی کی دلیل ہے۔

امریکا میں بعض لوگ چاندنی رات میں گھروں سے نہیں نکلتے ۔ مجبوراً نکلنا پڑے تو سر اور چہرہ ڈھانپ لیتے ہیں۔ چاندنی میں نہیں سوتے۔ ان کا خیال ہے کہ چاندنی سے لقوہ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی عقیدہ ہے کہ گائے آدھی رات کے بعد 'مو' کی آواز نکالے تو یہ خاندان کے کسی فرد کی موت کی پیشین گوئی ہے ۔ اگر مرغ گھر کے سامنے شور مچائے تو وہ کہتے ہیں کہ مہمان آنے والا ہے۔

مغرب میں 13 کا ہندسہ نحوست کی علامت ہے۔ اس ہندسے کو منحوس تصور کرنے پر یقین کا یہ عالم ہے کہ عمارتوں اور ہوٹلوں میں 13 نمبر کا کمرا یا تیرہویں منزل نہیں ہوتی۔

13 کا ہندسہ یونانی اوہام میں بھی ہے۔ رات کے کھانے کی میز پر 13 لوگ موجود ہوں تو یہ ان میں سے کسی ایک کی موت کا پروانہ ہے۔

ایشیائی ممالک میں اوہام پرستی دیگر ممالک کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ آدمی جا رہا ہو اور بلّی راستہ کاٹ لے تو گمان کیا جاتا ہے کہ ناخوشگوار واقعہ پیش آئے گا۔ سفر پر جاتے وقت چھینک آجائے تو یہ بدشگونی ہے۔ جوتے پر جوتا چڑھنا سفر کی علامت ہے ۔ مکان کی دیوار پر صبح کوّا بیٹھ کر کائیں کائیں کرے تو یہ مہمان یا گھر کے کسی فرد کے سفر سے واپس آنے کی اطلاع ہے۔ دلہن کی گود میں ایک دو سال کے بچے کو دیا جاتا ہے تاکہ پہلی اولاد لڑکا ہو۔ دودھ پلائی کی رسم میں دلہن کا

پیا ہوا جھوٹا دودھ کنواری لڑکیوں کو پلایا جاتا ہے تاکہ ان کی بھی شادی ہو جائے۔

پاکستان میں گھر میں بیماریاں زیادہ ہو جائیں اور یکے بعد دیگرے پریشانیاں آئیں تو کمزور اعتقاد کے لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی نے جادو ٹونا کر دیا ہے۔ تعجب ہے کہ اس حوالے سے ذہن صفائی کا خیال رکھنے، ناقص غذا سے پرہیز اور شکوک و شبہات ختم کرنے کی طرف نہیں جاتا۔

جن حوالوں سے آپ نے وہم یا گمان کے بارے میں پڑھا، گمان صرف یہی نہیں۔ کسی فرد سے غلط بات منسوب کرنا بھی گمان ہے۔

اوہام پرستی ایک طرح سے غلامی ہے۔ پیروں میں آنے والی چیز سے خوف کھانا، اس سے نفع و نقصان کو وابستہ کر لینا، جانور یا ان کی آوازوں کو بدبختی پر محمول کرنا، کسی ساعت، مہینے، دن یا عدد کو منحوس تصور کرنا۔ آدمی سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی ان چیزوں کے عمل سے وابستہ ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کے توہمات تھے کہ لوگ گھروں سے نکلتے تو پرندوں کو اڑایا جاتا، پرندہ دائیں جانب اڑتا تو نیک فال تصور کرتے اور بائیں جانب اڑتا تو بدفال گردان کر سفر سے گریز کرتے تھے۔ قیاس تھا کہ صحرا میں شیاطین ہوتے ہیں جو رنگ بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور لوگوں کو راہ سے بے راہ کر دیتے ہیں۔

خاتم النبیین حضرت محمدؐ نے اوہام پرستی کی نفی کی اور لوگوں کو ایک اللہ پر یقین کا درس دیا۔

”جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ فرشتوں کو دیویوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں حالاں کہ اس معاملے کا انہیں کوئی علم نہیں ہے۔ وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور گمان حق کی جگہ کچھ کام نہیں دے سکتا۔“ (النجم: ۲۷-۲۸)

”ان سے پوچھو کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہو۔ کہو وہ صرف اللہ ہے جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ پھر بتلاؤ جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ خود جو راہ نہیں پاتا الّا یہ کہ اس کی راہ نمائی کی جائے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسے الٹے الٹے فیصلے کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ محض گمان کے پیچھے جا رہے ہیں ۔ بے شک گمان حق کی ضرورت کو پورا نہیں کرتا۔“

(یونس: ۳۵-۳۶)

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے

میں مصر فتح ہوا جہاں معاشی سرگرمیوں کا انحصار دریائے نیل پر تھا جو اکثر خشک ہو جاتا تھا۔ ہر سال کنواری لڑکی کو دلہن بنا کر اس میں ڈال دیا جاتا۔ جب دریا میں پانی کی سطح بلند ہوتی تو مصری باشندے اسے اپنی رسم کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں دریا خشک ہوا اور انہیں اس رسم کی خبر ملی تو انہوں نے لوگوں کو ایسا کرنے سے روک دیا اور دریا کو خط لکھا،

"اگر تو اللہ کے حکم سے جاری ہے تو میں دعا کرتا ہوں کہ تو جاری ہو جائے۔ اگر اللہ کے حکم سے جاری نہیں ہے تو ہمیں تیری ضرورت نہیں۔"

خط پڑھنے کے بعد آج تک دریائے نیل خشک نہیں ہوا۔ مصر کی قوم کا اجتماعی وہم، حضرت عمر فاروقؓ کے یقین کے آگے ٹوٹ گیا۔

وہم گمان ہے۔ مذہب نے گمان کی ممانعت کی ہے۔ توہمات سے آزاد ہونے کے لئے بندے کو یقین ہونا چاہئے کہ زندگی، موت، کامیابی، ناکامی، رزق اور تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اب اگر آپ کے سامنے سے کالی بلّی گزرے تو اسے منحوس سمجھنے کے بجائے خیال رہے کہ بلّی کا بھی سڑک پر اتنا حق ہے، جتنا آپ کا ہے۔

ایثار

چھوٹی بچی کو خون کے عطیے کی ضرورت تھی۔ دشواری یہ تھی کہ اس کے خون سے مطابقت رکھنے والا عطیہ دہندہ نہیں مل رہا تھا۔ گھر میں صرف بھائی کے خون کا گروپ بہن کے خون کے گروپ کے لئے موزوں تھا۔ بچی کی جان کو خطرہ تھا۔ بھائی کی عمر دس سال تھی۔ بہن اسے بہت عزیز تھی۔ معلوم ہوا کہ اس کا اور بہن کے خون کا گروپ ایک ہے تو کہا، میں خون عطیہ کروں گا۔

ماں باپ نے سمجھایا کہ تم چھوٹے ہو، تمہاری جان بھی جا سکتی ہے لیکن وہ نہیں مانا۔

فیصلہ ہوا کہ بچے کی تسلی کے لئے تھوڑا خون لیا جائے تاکہ وہ مطمئن ہو جائے کہ اس نے مشکل وقت میں بہن کی مدد کی۔

بھائی خون دینے گیا۔ اسپتال کے بستر پر نہ جانے کیا سوچ کر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑا خون لیا گیا اور اس دوران وہ سو گیا۔ بہن کو بھائی کا خون ملا۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ الگ سے خون کا انتظام ہو گیا اور بہن زندگی کی طرف لوٹ آئی۔

بھائی نے ایک گھنٹے بعد آنکھیں کھولیں تو بہن کا خیال آتے ہی چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ڈاکٹر سے پوچھا، انکل! میرے مرنے میں کتنا وقت باقی ہے—؟

قارئین! بچے کی بات سے آپ کیا سمجھے؟

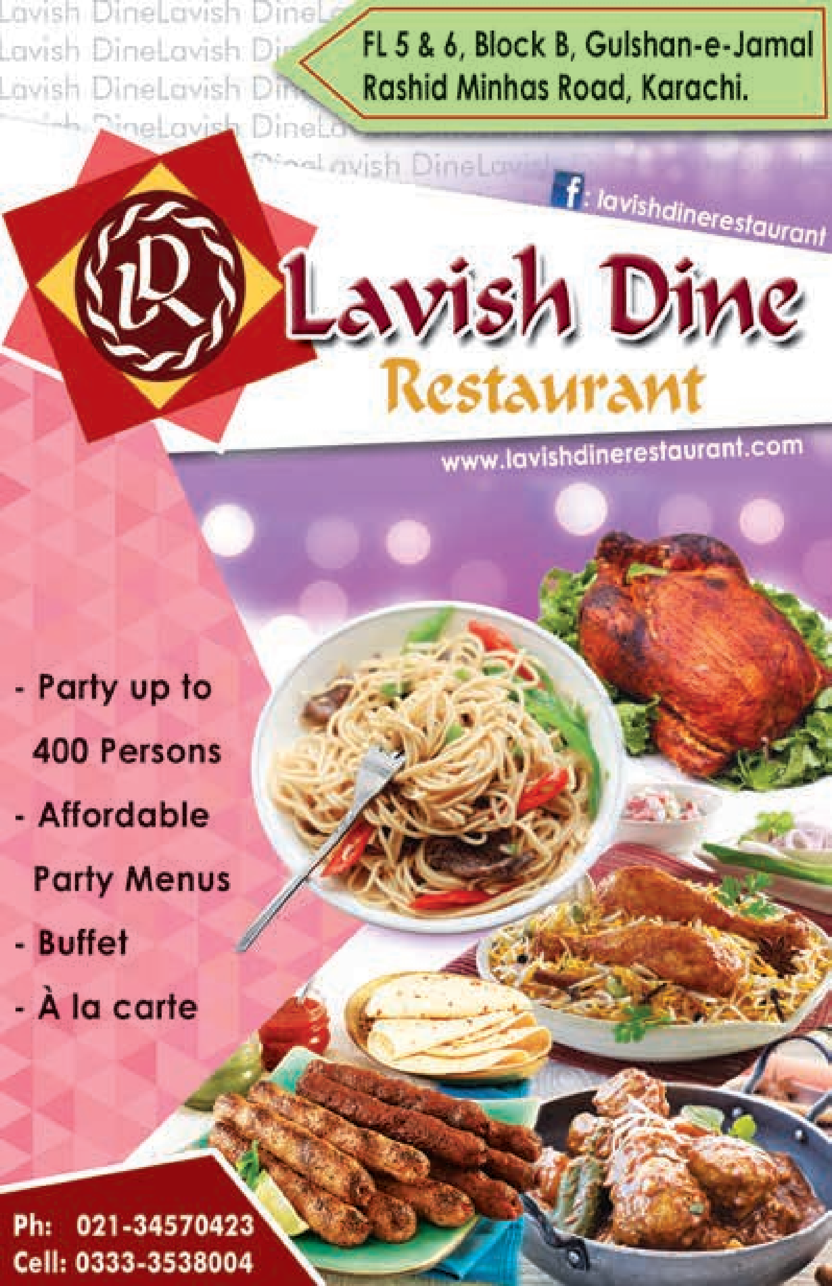
FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.
f: lavishdinerestaurant
Lavish Dine
Restaurant
www.lavishdinerestaurant.com
- Party up to
400 Persons
- Affordable
Party Menus
- Buffet
- À la carte
Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

Since 1990

MOTOLUX
INDUSTRIES

A GLOVES ENGINEERING COMPANY.

Motolux Street,Muzzafarpur, Ugoki Road,
Sialkot-51340,Pakistan,
Tel: +92-52-3252284,Fax: +92-52-3240216
info@motolux.pk

فلک ناز

خیال کو گزرنے دو

شاگرد نے پوچھا، آپ یہ کیوں سکھاتے ہیں کہ خیال کو گزرنے دو اور ذہن کو مقصد پر مرکوز رکھو—؟ مقصد بھی تو ایک خیال ہے۔

درد اور خوشی دماغ سے وابستہ رویے ہیں جو توقعات سے پیدا ہوتے ہیں۔ توقعات سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو متاثر کرتی ہیں۔ توقع پوری ہوتی ہے، ہم خوش رہتے ہیں ورنہ مایوسی کی دبیز چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ توقع پوری ہونے نہ ہونے کی چھپن چھپائی میں ذہن ایک طرز پر قائم نہیں رہتا— محبت اور نفرت، ہمدردی اور بے حسی، خوشی اور غم میں ردّوبدل انتشار کی کیفیت ہے جو اس ریاضت سے ختم ہوتی ہے کہ یہاں جو کچھ ہے اور ہو رہا ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ چاہتا ہے تو خواہش پوری ہوتی ہے ورنہ خواہش کا پورا نہ ہونا نقصان نہیں ہے۔ یہ نقصان سے حفاظت ہے۔ اللہ ہمیں تکلیف سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ اپنی مرضی کے نتائج چاہنے کا ترک— جب شعور اس فصیل کو عبور کرتا ہے تو ذہن کو ہموار کرنے والے رجحانات پیدا ہوتے ہیں۔ نتیجے میں درد اور خوشی بے اثر ہو جاتی ہے۔

اس دنیا میں ہر ایک کے اپنے درد اور مسائل ہیں۔ ہم سب کا رویہ اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری زندگی میں کیا ہو رہا ہے۔ کسی کو کاروبار میں نقصان ہوا، کسی کے گھر میں بیماری ہے اور کسی کا عزیز بچھڑ گیا ہے۔ کاروبار میں نقصان پر خوشی کیوں نہیں ہوتی اور قریبی عزیز کو کھونے پر ہم خود پر زندگی کے دروازے تنگ کیوں کر لیتے ہیں؟

کیوں کہ ہمیں اسی طرح برتاؤ کرنے کی تربیت دی گئی ہے۔ کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس یقین کے ساتھ روتے ہیں کہ اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا ہے۔ ہمیں اس کے ساتھ رہنے کی عادت ہے اس لئے جب وہ پاس نہیں ہوتا، دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جس سے انسیت نہ ہو، اس کی موت پر تکلیف ہوتی ہے لیکن غم گہرا نہیں ہوتا۔ اسی صورت

سے کاروبار میں نقصان ہوتا ہے تو ذہن امتلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ہم نے اپنی دولت کا ایک حصہ کھو دیا ہے، محنت سے پیسہ کمایا تھا، اب گزر بسر کے لئے ہاتھ تنگ ہو جائے گا۔

آدمی بشر ہے۔ وہ دکھ اور تکلیف کے احساس سے ماورا نہیں ہے لیکن تکلیف کو عارضی دنیا کا عارضی جذبہ سمجھ کر صبر کرنے کے سوا آدمی کے پاس کوئی چارہ نہیں۔

واقعات پر ردّعمل روحانی ماحول سے مانوس ہو کر تبدیل ہو سکتا ہے۔ ہم خود کو مکمل تبدیل نہ کر سکیں پھر بھی رویے میں اتنی ترمیم کرنی آجاتی ہے جو ہمیں تکلیف سے دور رکھ سکتی ہے۔

دو بھائی سفر میں تھے۔ رات کے وسط میں ایک شہر پہنچے۔ وہاں برف باری ہو رہی تھی۔ انہوں نے سرائے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ملازم نے دروازہ کھولا مگر بوسیدہ لباس میں کھڑے افراد کو بھکاری سمجھ کر ناگواری سے بند کر دیا۔ بھائیوں کے پاس رہنے کی جگہ نہیں تھی۔ ایک بار پھر دستک دی۔ برفانی موسم میں رات گزارنے کے لئے پناہ کی ضرورت تھی۔ ملازم نے دروازہ کھولا، وہی دو بھکاری تھے، غصہ آگیا کہ پھر کیوں آگئے، سخت الفاظ میں سرزنش کی اور دروازہ زور سے پٹخ دیا۔

بھائی سردی سے کانپ رہے تھے اور بھوک بھی لگی تھی۔ انہوں نے تیسری مرتبہ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ملازم آگ بگولا ہو گیا۔ دروازہ کھول کر باہر آیا، دونوں کو دھکے دیتے ہوئے سڑک تک لے گیا اور لفظ چباتے ہوئے بولا، دوبارہ نظر آئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔

درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے تھا۔ بھائی دبلے پتلے تھے۔ میلوں میل سفر کر کے یہاں تک پہنچے تھے۔ کپڑے بوسیدہ اور جوتے برف باری برداشت کرنے کے قابل نہیں تھے۔ چھوٹا بھائی ملازم کے رویے پر ناراض، مایوس اور ملول تھا۔ بڑے بھائی نے کچھ نہیں کہا، وہ خاموش تھا۔

بھائی باہر برف میں ٹھٹھر رہے تھے اور اندر سرائے کا ملازم چبھتی ہوئی سردی سے محفوظ رہنے کے لئے گرم لحاف اوڑھ کر لیٹا ہی تھا کہ خیال کی لہر گزری — وہ سوچنے لگا کہ بھکاری یخ بستہ ہواؤں کا سامنا کیسے کر رہے ہوں گے۔ اپنے کئے پر شرمندگی ہوئی اور ہمدردی کا احساس جاگا کہ دیکھ لینا چاہئے آیا وہ باہر ہیں یا جا چکے ہیں۔ کیوں کہ اگر وہ مر گئے تو پولیس صبح سرائے کا دروازہ کھٹکھٹائے گی۔

دروازہ کھولا تو دونوں ایک کونے میں بیٹھے کانپ رہے تھے۔ اشارہ کیا کہ اندر آجاؤ۔ آتش دان کے قریب بٹھایا اور کھانا گرم کر کے دیا۔

دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔

میں نے تم لوگوں پر ہاتھ اٹھایا، تمہیں برا لگا ہو گا۔ خجالت سے پوچھا۔

چھوٹا بھائی تلخی ظاہر کرنا چاہتا تھا جس طرح ہم میں سے بیشتر لوگ غصے میں کرتے ہیں لیکن بڑے بھائی نے کہا، مجھے برا نہیں لگا۔

چھوٹا بھائی اپنے بھائی سے واقف تھا مگر سرائے کے ملازم کو جواب سن کر جھٹکا لگا۔ پوچھنا چاہا کہ میرا زدوکوب کرنا برا کیوں نہیں لگا۔

بڑا بھائی بولا، میرے لئے زندگی الٰہی منصوبے کا مظاہرہ ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ کائناتی پروگرام کا ایک حصہ ہے۔ تم مجھے مارتے ہو یا سرائے میں آنے کی اجازت دے کر گرم کھانے سے تواضع کرتے ہو، اس سے فرق نہیں پڑتا۔ دونوں عمل کا تعلق دماغ اور جسم سے ہے... ورائے لاشعور، روح یا ذات سے نہیں ہے۔ جو فرد جسم کو زندگی کا محور سمجھتا ہے، وہ جسمانی محرک پر ردّعمل ظاہر کرتا ہے۔ جو ذہن کے تابع رہتا ہے، وہ جذبات کا غلام ہوتا ہے لیکن جو روح کی دنیا میں سرگرداں ہے—اس کا ردّعمل روح کی تحریکات کے مطابق ہوتا ہے۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا، جسم کو تکلیف ہوئی لیکن میرا شعور اس جسم میں نہیں رہتا اس لئے مجھے برا نہیں لگا۔

جسم مسلسل تغیر سے گزرتا ہے اس لئے جسم سے منسلک سوچ متغیر ہوتی ہے۔ جو لوگ اس راستے کو طے کر کے تغیر کے شکنجے سے نکلے ہیں، انہوں نے لاشعور سے مدد لی ہے اور یہی وہ راہ نمائی ہے جس کی روشنی میں ہم سب کو چلنا ہے۔

ماں باپ بچے کے ذہن میں یہ بات نقش کرتے ہیں کہ تمہیں بڑا ہو کر معاشی طور پر مستحکم ہونا ہے۔ ہر آدمی اس کو خود مختاری سمجھتا ہے۔

بیٹی نے ماں سے کہا کہ مجھے گاڑی چلانی سیکھنی ہے، میں خود مختار ہونا چاہتی ہوں۔

ماں نے کہا، گاڑی چلانے سے آدمی خود مختار نہیں ہوتا بلکہ خود مختار آدمی یہاں (دماغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) سے ہوتا ہے۔ خوش رہنے کے لئے کسی وجہ کی ضرورت نہ ہو اور کوئی غم تمہارے سکون کو متاثر نہ کرے تو اب تم خود مختار ہو۔ اور یہ وصف شکر کے پیٹرن پر قائم ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

اللہ کی رضا پر شاکر رہنا اعلیٰ شعور ہے۔ اعلیٰ شعور میں انہماک سے مٹی کے شعور کا اثر بے اثر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو جذبات سے عاری مت سمجھئے، تکلیف ان کو بھی محسوس ہوتی ہے مگر خوشی اور غم کو جسمانی شعور کے بجائے الہامی پروگرام کے آئینے میں دیکھنے سے یہ لوگ خوف اور غم سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ بے نیازی کا مطلب ہے کہ یہ خوشی کے اسباب کھو جانے پر رنجیدہ نہیں ہوتے، ان کی دلچسپی بدلنے والی اشیا میں نہیں ہے۔ ان کا ذوق روح میں اور روح جس کے امر سے ہے، اس میں سرگرداں ہے۔

ہم درد سے بھاگ سکتے ہیں نہ مایوسی پیدا کرنے والے احساسات سے بچ سکتے ہیں۔ تکلیف ہمارا اس لئے پیچھا کرتی ہے کیوں کہ ہم نے تکلیف پیدا کرنے والے اسباب اور کیفیات کو جسم میں جگہ دے کر اپنا سایہ بنالیا ہے۔

اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں کیوں کہ وہ جسم اور الوژن (فریب) ذہن کے اثر سے نکل آتے ہیں۔ خوف اور غم کا تعلق 'ملکیت' سے ہے۔ اللہ کے دوست، اللہ کے امر میں زندہ رہتے ہیں۔

شاگرد نے پوچھا، آپ یہ کیوں سکھاتے ہیں کہ خیال کو گزرنے دو اور ذہن کو مقصد پر مرکوز رکھو۔ مقصد بھی تو ایک خیال ہے؟

استاد نے فرمایا، ذہن ہدف کے مطابق سفر کرتا ہے۔ جب میں کہتا ہوں کہ جو خیال آتا ہے اسے گزرنے دو، یہ الوژن خیالات میں توانائی کو بے اثر کرنے کے لئے ہے تاکہ خیال آئے یا جائے، تم نیوٹرل ہو جاؤ۔ اور جس مقصد پر ذہن مرکوز کرنے کا کہتا ہوں، اس میں تغیر نہیں ہے، تکلیف نہیں ہے، انتشار نہیں ہے بلکہ دائمی خوشی ہے۔ الوژن یا فریب کے ریلے سے بچنے کے لئے ایسے سہارے کی ضرورت ہے جو اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے اور سہارا لینے والے کو بھی فریب کے ریلے میں بہنے سے بچا لیتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔" (اٰل عمرٰن: ۱۰۳)

استاد نے فرمایا، مراقبہ اس آیت کی عملی مشق ہے۔ خیالات کے تناظر میں دیکھو تو تفرقہ وہ کیفیات ہیں جن میں تضاد ہے، اور اللہ کا خیال وہ رسّی یا سہارا ہے جس میں جو کچھ ہے، وہ ایک ہے اور سب کچھ ایک کے دائرے میں ہے۔

عرفانہ شہزاد

کِس نے کہا — سنا کِس نے

"قانون — کسی کام کو کرنے کے لئے ایک بندے کے پیچھے (بیک اپ کے لئے) 10 بندے تیار ہوتے ہیں۔ یہ فقیر کی آپ پر شفقت ہے کہ وہ آپ سے کوئی کام کروالے اور اس کے ذریعے آپ کے اندر خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر دے۔"

راہ نما مغرب کے وقت قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس آیت پر پہنچ کر رک گئے۔

"ان میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے۔ تو اپنے رب کی کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟"

(الرحمٰن: ۲۲۔۲۳)

انہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تعریف کرتے ہیں، ہمیں بھی کرنی چاہئے۔ کوئی اچھا کام کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ تم بھی تعریف کیا کرو۔ کبھی کسی کے گلے میں ہار بھی ڈال دیا کرو۔

جو بھائی بہن وہاں موجود تھے انہوں نے حکم کی تعمیل کا عزم کیا۔

کسی نے عرض کیا، حضور! نظر کرم کیجئے۔

فرمایا، نظر تو ہوتی ہی کرم کی ہے۔

کچھ اور باتیں ہوئیں پھر محفل برخاست ہو گئی۔

میں نے سوچا کہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ہماری پہچان ایک ہے مگر اختلافات کا شکار ہو کر خود کو آفاقی فیض سے محروم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

"اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (الانفال: ۴۶)

تعریف اور حوصلہ افزائی سے انفرادیت اور اختلافات کا حصار ٹوٹتا ہے، ٹیم ورک کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور کام کرنے کی استعداد بڑھتی ہے۔

ایک نشست میں ہم سے فرمایا، یہاں نمبروں کی دوڑ ہے۔ تھوڑا سا کام کر کے خواہش ہوتی ہے کہ نمبر مل جائیں جب کہ شاگرد کا کام یہ ہے کہ وہ

سوچے ــــ وہ استاد کے لئے کیا کر سکتا ہے اور ابھی تک کیوں نہیں کیا۔

ایک اور موقع پر فرمایا، قانون یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کے لئے ایک بندے کے پیچھے (بیک اپ کے لئے) 10 بندے تیار ہوتے ہیں ۔ یہ فقیر کی آپ پر شفقت ہے کہ وہ آپ سے کوئی کام کروالے اور اس کے ذریعے آپ کے اندر خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کردے ۔ صلاحیتیں ہر فرد کے اندر ہوتی ہیں لیکن ہر فرد کو صلاحیتوں کے اظہار کا موقع نہیں ملتا۔

قدرت کا نظام ٹیم ورک ہے۔ آسمان، زمین، بادل، ہوا، بارش، سورج، چاند، ستارے، موسم، پرندے، درخت، پھل، پھول وغیرہ ٹیم ورک کی مثال ہیں۔ سب پر اجتماعی شعور غالب ہے اور ہر ایک کائناتی ٹیم کا فعال رکن ہے۔

خواب کی دنیا پر غور کریں تو وہاں اجتماعی شعور غالب ہے کیوں کہ ہم نیوٹرل ہوتے ہیں اور خیال میں اپنے معانی نہیں پہناتے۔ اس وقت ہم کائناتی ٹیم کا حصہ ہوتے ہیں۔ اگر ہم بیداری میں بھی انہی حواس میں رہیں تو نیند کی دنیا کی صلاحیتیں بیداری میں منتقل ہو جائیں گی۔

ایک مرتبہ راہ نما نے ہدایت فرمائی کہ روزانہ ایک یا دو افراد کا کھانا کسی غریب یا مسافر کو دے دیا کرو۔ میں نے اس عمل کو معمول بنالیا۔

ایک روز خواب میں خود کو گھر کی چھت پر کھڑے دیکھا۔ گھر سے دور کسی چھت پر مردانِ غیب کا جمِ غفیر نظر آیا۔ وہ باتیں کر رہے تھے اور میں ان کی آواز سن سکتی تھی۔ کہہ رہے تھے کہ،

”فلاں مکان نمبر والے کہاں چلے گئے۔ ان کا ایک کام بہت مقبول تھا۔“

میں چونک گئی کہ یہ تو اس گھر کا پتہ ہے جسے ہم فروخت کر چکے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب کے پاس سات سو پچاس روپے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کھانا تقسیم کرنے کے عمل میں ان کا حصہ بھی ڈالا جائے۔ ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی رقم میری ہتھیلی پر موجود تھی۔

نیند سے جاگنے کے بعد حیرت ہوئی کہ جب اللہ کی مخلوق کے لئے کچھ کیا جاتا ہے تو اس کام میں مردانِ غیب شامل ہو جاتے ہیں۔

کائنات کے نظام میں بارش، دھوپ، زمین کی گردش، موسموں کا تغیر سب ٹیم ورک ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بارش صرف شمال سے آنے

والی ہواؤں کا نتیجہ ہے۔ اس حوالے سے حضرت امام غزالیؒ نے اپنا ایک مشاہدہ لکھا ہے۔

''مشرقی ہوا بادلوں کو اوپر کی طرف لے جاتی ہے۔ شمالی ہوا بادلوں کے ٹکڑوں کو یکجا کرتی ہے۔ جنوبی ہوا بادلوں کو ٹپکنے کے قابل بناتی ہے اور مغربی ہوا قطرات کو بارش میں تبدیل کرکے زمین کو سیراب کرتی ہے۔''

زمین — کائناتی نظام کی ہم قدم ہے، ایک انچ انحراف نہیں کرتی ورنہ موسموں کی بیلٹ یکایک تبدیل ہونے اور دیگر نتائج سے وہ حشر برپا ہوگا کہ زمین اور اس پر رہنے والوں کا وجود مٹ جائے گا۔ نظامِ کائنات میں اجتماعیت ہے اور ٹیم ورک اجتماعیت کی طاقت کا مظاہرہ ہے۔

خانقاہی نظام کا مقصد نوعِ انسانی کو اپنے اندر روحانی صلاحیتوں سے واقف کروا کر خالقِ کائنات کا قرب حاصل کرنا ہے۔

خانقاہ میں ٹیم ورک کی صورت میں کام کرنے کی وجہ سے تربیت کے بھرپور مواقع میسر آتے ہیں۔ مثلاً غصے پر قابو پانا، معاف کرنا، باہم انحصار، رواداری، فرماں برداری، خلوص، ایثار اور محاسبہ۔

بڑی ٹیم کا حصہ بننے کے لئے حوصلہ اور ظرف بھی بڑا ہونا چاہئے کیوں کہ بڑے مقصد کے لئے بڑی قربانی دینی پڑتی ہے۔ قربانی سے دریغ نہ کرنے والا کامیاب ہوتا ہے۔

ایک بار فرمایا، کوئی تمہیں اچھا نہ سمجھے تو اس کی پروا نہیں کرنا، اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں لگی رہنا۔ میں نے یہ بات لکھ لی۔

اصل میں لوگ الوژن میں مبتلا نہیں کرتے، ہم خود الوژن میں پھنس جاتے ہیں۔ جب نظر سے فریب کا پردہ ہٹتا ہے تو مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ راہ نما کے الفاظ ہمت اور طاقت بن جاتے ہیں۔ میں انہیں بار بار پڑھتی ہوں۔

تربیت کے حوالے سے ان کا اعجاز ہے کہ وہ ذمہ داری سونپ کر شخصیت کو تراشتے ہیں اور سوچ کو نکھار کر باطن آشکار کردیتے ہیں۔ یہی مقصدِ حیات ہے۔ بات کو یوں سمجھئے کہ دو افراد خانقاہ میں آئے اور خود کو خدمت کے لئے پیش کیا۔ ایک کو جوتے ترتیب سے رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی اور دوسرے کو دفتری امور انجام دینے کے لئے میز کرسی دی گئی — اب اگر جوتے سیدھے کرنے والا شکوے شکایات کے بغیر ڈیوٹی پوری کرتا ہے تو باطنی بالیدگی کا سفر جاری رہتا ہے۔ دوسرا فرد زعم میں مبتلا ہو جائے کہ مجھے میز

کرسی دی گئی ہے تو راستہ کھوٹا ہو جائے گا۔

راہ نما لنگر خانے کی طرف جا رہے تھے۔ سامنے سے کسی ڈیوٹی پر مامور ایک بھائی آرہے تھے۔

ان سے پوچھا، آج آپ یہاں سے کتنی مرتبہ گزرے ہیں—؟

عرض کیا، جی دو تین مرتبہ۔

ایک پودے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قدرے خفگی سے فرمایا، کیا آپ کو آتے جاتے یہ پودا نظر نہیں آیا؟

عرض کیا، جی آیا تھا۔

فرمایا، پھر آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ پودا خشک ہو رہا ہے، اسے پانی کی ضرورت ہے؟ وہ بھائی خاموشی سے نظریں جھکائے کھڑے رہے۔

فرمایا، آپ نے عقاب دیکھا ہے کتنی بلندی پر اڑتا ہے لیکن شکار نظر آتا ہے تو اس پر جھپٹ پڑتا ہے۔ آپ لوگ بھی عقاب بن جائیں۔ جب کوئی کام نظر آئے، اسے کرنے میں پہل کریں۔

انہوں نے لطیف پیرائے میں نشاندہی فرمائی کہ جو کام کر سکتے ہو، اسے اس بنیاد پر مت چھوڑو کہ یہ میرا کام نہیں ہے، فلاں صاحب یا صاحبہ کا ہے۔ یہ سوچ روحانی سفر میں رکاوٹ ہے۔

اٹھتے بیٹھتے سوچتی تھی کہ اپنے محلے میں لوگوں کی خدمت کے لئے کیا کر سکتی ہوں۔ ایک روز خیال آیا کہ ٹھنڈے میٹھے پانی کی سبیل لگانی چاہئے۔ یہ چھوٹا سا کام تھا لیکن میرے ذہن نے مٹکے سے قطار در قطار لوگوں کے پانی پینے کی تصویری شکل دیکھ کر قلبی خوشی حاصل کی تھی۔ جب گھر میں تذکرہ کیا تو سب نے مخالفت کی کہ سوسائٹی کے ہر گھر میں پانی ہے جو بغیر تعطل کے مل رہا ہے پھر یہ پانی کون پیئے گا؟ البتہ والدہ نے ساتھ دیا۔ ان کے ساتھ جا کر بازار سے بڑا مٹکا خریدا۔ اسے دھو کر گھر کے سامنے خالی پلاٹ میں ایک درخت کے نیچے رکھا۔

وہ دن یاد ہے جب گلی میں جس نے سنا، گھر سے نکلا اور حیرت کا اظہار کیا کہ آپ بے کار میں خود کو تھکا رہی ہیں۔ یہ پانی کوئی نہیں پیئے گا۔

جواب میں ایک جملہ کہا، ہر شخص اپنی خوشی کے لئے مختلف کام کرتا ہے، نتیجہ نہیں دیکھتا۔ میں اپنی خوشی کے لئے کر رہی ہوں۔

پانی کا مٹکا دیکھ کر البتہ بچے بہت خوش ہوئے اور تالیاں بجائیں۔ مٹکا پانی سے بھر گیا تو میں نے بہن کے ساتھ مل کر اس پر پھولوں کا ہار ڈالا اور دو گلاس زنجیر کے ساتھ باندھ کر رکھے۔ مٹکے میں

سے مٹی کی سوندھی سوندھی خوش بو آرہی تھی۔ دیکھ دیکھ کر دل نہیں بھرتا تھا۔

مغرب ہونے کو تھی کہ والد صاحب نے باہر آکر مسکراتے ہوئے کہا، بیٹیو! اب گھر آجاؤ! کہیں مٹکے کی پوجا نہ شروع کر دینا۔

اگلے چند روز میں آئس کریم والے اور سبزی فروش گلی سے گزرتے ہوئے مٹکے کے پاس رکنے لگے اور پانی پیتے۔ ہم چھپ چھپ کر دیکھتے تھے۔ خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ گاڑیاں بھی مٹکے کے پاس رکنے لگیں۔ قصہ مختصر ـــــ دوپہر کو مٹکا خالی ہو جاتا تھا۔ ہم مزید پانی ڈالتے تھے۔

جب میں مٹکے میں پانی بھرتی تھی تو میلے کا سماں ہوتا تھا۔ وہ ہمسائے جنہوں نے مخالفت کی تھی، آتے اور اصرار کرتے کہ دیکھو تمہاری مہربانی ہوگی، نیکی کا کام اکیلے نہیں کیا جاتا، ہمارا حصہ بھی ڈال لو۔ طے ہوا کہ مٹکے میں پانی صبح میں ڈالوں گی، دوپہر کو سامنے والے اور شام میں برابر والے۔ اس طرح یہ ٹیم ورک ہو گیا۔ میں نے اس کا نام خوشیوں کا مٹکا رکھا۔

سوچتی تھی کہ چند آنسوؤں کا خراج دے کر اتنی خوشیاں حاصل کرلیں۔ یہ خوشیاں گلی کے سارے گھروں میں پھیل گئیں۔ لگتا تھا کہ لوگ

چینی کہاوت ہے کہ اگر تم ایک گھنٹے کی خوشی چاہتے ہو تو مختصر نیند لو۔ ایک دن کی خوشی چاہتے ہو تو مچھلیوں کے شکار پر جاؤ۔ ایک مہینے کی خوشی چاہتے ہو تو شادی کرلو ـــ اور اگر ساری زندگی خوش رہنا چاہتے ہو تو کسی کی مدد کرو۔

اس میں پانی کی جگہ خلوص انڈیل رہے ہیں۔

یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ سال جاری رہا۔

ایک روز گلی سے بچہ بھاگا بھاگا آیا اور اطلاع دی کہ کچھ لوگ مٹکا ریڑھی پر رکھ کر لے جارہے ہیں۔ توقف کے بعد میں نے بچے سے کہا، ہماری خوشیوں کا مٹکا چوری نہیں ہوا، اڑ کر مشک بن گیا ہے، اب اس میں سے بادل بنیں گے، یہاں وہاں تیریں گے اور برسات ہوگی۔

مطلب یہ تھا کہ ہم نے خوشی کا راز پالیا ہے جسے ہم اب ترک نہیں کریں گے۔ خوشیوں کے مٹکے نے ہمیں ایک ٹیم بنا دیا تھا۔

ایک روز درخت کٹ گیا۔ صبح پانی ڈالنے کے لئے نکلی تو دیکھا کہ خالی پلاٹ پر اینٹیں رکھ دی گئی ہیں اور نیا مکان بننے کی تیاری ہو رہی ہے۔ اس عمل نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

PRIME LACE INDUSTRIES (PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

اظہر حسین

اختلاف کی اہمیت

بستر لیٹنے کے لئے اور کرسی بیٹھنے کے لئے ہے۔ موزے پیروں میں اور ٹوپی سر پر ہوتی ہے۔ زمین نیچے، چھت اوپر، آلو زمین کے نیچے اور تربوز اوپر ہوتا ہے۔ اگر آم کی جگہ تربوز درخت پر لگے اور پک کر کسی کے سر پر گرے تو کیا تربوز سلامت رہے گا—؟

ہم ایک ہوا میں سانس لیتے ہیں لیکن جو سانس یا ہوا میرے اندر ہے، کیا وہی آپ کے اندر ہے؟ کسی کو خون کی ضرورت پڑتی ہے تو بتایا جاتا ہے کہ فلاں گروپ کا خون چاہئے۔ جب کوئی خون دینے جاتا ہے تو ایک شخص سے دوسرے کو براہِ راست خون نہیں دیا جاتا۔ وجہ کیا ہے—؟

خون ہم سب کے اندر ہے۔ کسی کے خون کا رنگ گہرا ہے اور کسی کا کم گہرا لیکن رنگ کم و بیش ایک نظر آتا ہے۔ بو بھی ایک ہے یعنی سونگھ کر اور دیکھ کر ہم پہچان لیتے ہیں کہ یہ خون ہے جب کہ ایک نظر آنے والے خون کا گروپ الگ الگ ہوتا ہے یعنی ایک جیسی اشیا ایک نہیں ہوتیں بلکہ مقداریں مختلف ہونے کی وجہ سے ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ اختلاف کا معنی فرق ہے۔

عام طور پر جڑواں بچوں میں انتہائی مماثلت ہوتی ہے مگر ماں پہچان لیتی ہے۔ میں نے چند ایک خواتین سے پوچھا کہ وہ بچوں کو کس طرح پہچانتی ہیں۔ انہوں نے باریک نشانیاں بتائیں جن کی مدد سے وہ اپنے جڑواں بچوں کو پہچانتی ہیں۔

ایک لطیفہ کافی پسند کیا گیا— دو دوستوں نے ایک جیسے گھوڑے خریدے۔ انہوں نے سوچا کہ پہچان کے لئے نشانی ہونی چاہئے۔ ایک نے اپنے گھوڑے کے جسم پر لکیر نما نشان بنایا۔ چند روز بعد دوسرا دوست گھوڑے پر زین رکھ رہا تھا تو اس میں نوکیلی چیز سے اس کے گھوڑے پر بھی وہی نشان بن گیا جو پہلے والے گھوڑے پر تھا۔

دوست سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ کیا کیا جائے۔ ایک نے گھوڑے کے کان میں اوپر سے سوراخ

کر دیا۔ معلوم ہوا کہ دوسرے گھوڑے کے کان کے اوپر پہلے سے سوراخ تھا جو نظر نہیں آیا۔ دونوں دوست پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ فیصلہ ہوا کہ رنگ سے مدد لی جائے۔ پہلے نے سرمئی اور دوسرے نے گھوڑے پر کتھئی رنگ کیا۔ بارش ہوئی، رنگ دھل گئے اور پہچان ایک بار پھر سوال بن گئی۔

ایک امریکی خاتون سے ملاقات ہوئی۔ بات چیت کے دوران انہوں نے بتایا کہ انہیں ہم لوگوں کو پہچاننے میں مشکل ہوتی ہے۔ اور میں حیران تھا کہ ہمارے لئے چین و جاپان کے لوگوں میں فرق کرنا مشکل ہے۔ حالاں کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ اسی طرح چرواہا ریوڑ میں ہر جانور کو پہچانتا ہے جب کہ ہم نشانی تلاش کرتے رہ جاتے ہیں۔

پہچان کی وجہ اختلاف ہے جو کہیں کم اور اکثر و بیشتر زیادہ ہوتا ہے۔ ایک ماں کے پانچ بچے ہیں، پانچوں مختلف ہیں۔ جڑواں بچے ہوں تو انتہائی درجے مشابہت کے باوجود فرق موجود ہوتا ہے۔

میں گھر میں ساری اشیا کو الگ اس لئے سمجھتا ہوں کہ ان کی شکلوں میں اختلاف ہے۔ وہ بھی گھر والوں کو الگ الگ دیکھتی ہیں کیوں کہ پہچان کی صلاحیت ان کے اندر موجود ہے۔ ایک فرد کے کمرے میں داخل ہونے سے ماحول بدل جاتا ہے۔ وہ نرم دل ہے تو ہر شے اسے خوش آمدید کہتی ہے اور کشش کی لہروں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اگر وہ سنگ دل ہے تو دیوار، فرش، چھت، کھڑکیاں اور فرنیچر سے لے کر کمرے میں ہر چھوٹی بڑے شے اس سے گریز چاہتی ہے۔ گریز کی لہروں کی وجہ سے کمرے میں اضطراب اور بے چینی پھیل جاتی ہے۔

ایسے پودے اور پھول ہیں کہ اگر کسی فرد نے ان کو نقصان پہنچایا ہو تو اس کے دوبارہ قریب آنے یا وہاں سے گزرنے پر وہ سمٹ جاتے ہیں یعنی صرف ہم پودوں کو نہیں پہچانتے، پودے بھی ہمیں پہچانتے ہیں۔

ہمیں ہر پھول ایک نظر آتا ہے۔ شہد کی مکھی یا پھولوں سے رس کشید کرنے والے دوسرے حشرات سے پوچھئے کہ کیا واقعی سارے پھول شکل میں ایک ہیں ——؟

دس سیکنڈ کے لئے سوچیں کہ اگر ہر فرد کا چہرہ ایک جیسا ہو جائے تو پہچان کیسے ہوگی ——؟ کسی کو

قرض دے دیا تو مسئلہ کھڑا ہو جائے گا کہ قرض کس سے واپس لینا ہے۔ شکیل بھائی کے پاس جائیں گے تو وہ جمیل بھائی کی طرف اشارہ کریں گے اور جمیل بھائی کے اوسان خطا ہو جائیں گے کیوں کہ انہوں نے قرض نہیں لیا۔

اب تک جو آپ نے پڑھا، وہ تمہید تھی، اس سوال پر تحقیق کی کہ کائنات میں پہچان کے ضمن میں اختلاف کی اہمیت کیا ہے؟

اختلاف کو دوئی کے ذریعے ظاہر کریں تو سمجھنا آسان ہو گا۔ دوئی کا مطلب جوڑا ہے جیسے کھانا کھانا، پانی پینا، مذکر مونث۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں "زوجین" اور "زوجین اثنین" کا ذکر فرمایا ہے۔

زوجین — جوڑے

زوجین اثنین — جوڑے دہرے

تخلیق جوڑے اور جوڑے دہرے ہوئی ہے۔ جوڑا اور جوڑے کے ہر یونٹ کا جوڑا یعنی کوئی مخلوق ایک حالت میں نہیں ہے۔ مخلوق ہمیشہ جوڑے جوڑے اور جوڑے دہرے ہوتی ہے۔

محترم عظیمی صاحب نے جوڑے اور جوڑے دہرے کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مذکر اور مونث جوڑا ہے۔ اس کے ساتھ مذکر کے اندر مونث ہے اور مونث کے اندر ایک مذکر ہے۔ ایکویشن (مساوات) یہ بنی:

مونث + مذکر

باہر مذکر + اندر مونث

باہر مونث + اندر مذکر

اس ایکویشن میں کشش کا قانون ہے۔

ہر تخلیق معین مقداروں سے ہے۔ ان میں تبدل نہیں، ایکویشن کا فرق ہوتا ہے جو نظام کا حصہ ہے اور تسلسل کے لئے ضروری ہے۔

<u>مثال ۱</u>: دال چاول میں نہ دال تبدیل ہوتی ہے نہ چاول بدلتا ہے۔ چاول اور دال کی اقسام ہوتی ہیں جس کو تبدیلی نہیں کہتے۔ جب یہ دونوں پکتے ہیں تو یہ بھی فارمولے کے تحت ہوتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دال اور چاول کو حرارت ملنے سے ان میں تغیر آ گیا یعنی ان کی ظاہری حالت تبدیل ہوئی ہے، نوعیت تبدیل نہیں ہوئی۔

<u>مثال ۲</u>: گراف پیپر پر ناک بنانی ہے۔ کم خانوں میں چھوٹی ناک بنے گی، خانے زیادہ ہوں گے تو ناک بڑی یا موٹی ہو جائے گی لیکن رہے گی وہ ناک۔ یہی آنکھ، ہونٹ اور ہاتھ کا حال ہے۔

جب تخلیق ہوتی ہے تو مذکر اور مونث کی

مقداریں تناسب میں یکجا ہوتی ہیں۔ جو مقدار جتنی تعداد میں ہوگی، گراف پیپر کی طرح اس سے بننے والے نقوش میں فرق آجائے گا۔

تحقیق و تلاش نے ان مقداروں کو کروموسوم کا نام دیا ہے جس سے جسم بنتا ہے۔ کروموسوم یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی رنگ ہے۔ آدمی میں 46 کروموسوم بتائے جاتے ہیں۔ 23 کروموسوم ماں اور 23 کروموسوم باپ کے مل کر بچے کے 46 کروموسوم بنتے ہیں۔ ماں باپ کے 23، 23 کروموسوم بچے کو منتقل ہوتے ہیں۔ بہن بھائیوں میں چند کروموسوم ایک جیسے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں مشابہت ہوتی ہے۔ کوئی ماں سے شباہت رکھتا ہے اور کسی میں باپ کی مشابہت زیادہ ہوتی ہے — مکمل شباہت کسی میں نہیں ہوتی۔ مثالیں دی جاچکی ہیں۔

ہاتھوں اور پیشانی پر لکیریں نوعِ آدم کے کسی فرد میں یکساں نہیں۔ کچھ عرصہ پہلے پتہ چلا کہ آنکھ کے اندر ایک حصہ (iris) ایسا ہے جو ہر آدمی میں مختلف ہے۔

2021ء ٹوکیو اولمپکس میں 100 میٹر کی دوڑ میں لمونٹ مارسل جیکبز اور اسی سال تیراکی کی عالمی چیمپئن شپ میں میٹیو ریوولٹا نے سونے کے تمغے حاصل کئے۔ جیکبز تیراکی اور ریوولٹا دوڑ کے مقابلے میں حصہ لیں تو کیا کوئی کارنامہ انجام دے سکیں گے —؟ حالاں کہ دونوں عالمی چیمپئن ہیں۔ انہوں نے جس صلاحیت کو بڑھانے پر کام کیا، اس میں قابلِ ذکر ہوگئے۔ اگر دونوں میں دوڑ کا مقابلہ کروائیں جس میں ریوولٹا نمایاں کارکردگی نہ دکھا سکے تو کہا جائے گا کہ وہ صحیح نہیں دوڑا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ تیراکی میں ماہر ہے۔ وہ کہے گا کہ تیراکی میں میرا مقابلہ کرکے دکھاؤ۔

جس طرح ہر شخص کی صلاحیتیں مختلف ہیں، اسی طرح اعضا کے اپنے اپنے شعبے ہیں۔ ناک کو ڈانٹا جائے کہ پانی کیوں نہیں پیتی اور جڑوں کو اس بات پر سزا دی جائے کہ وہ سورج کی روشنی سے سبز مادہ کیوں نہیں بناتیں یا کانوں کو سرزنش کی جائے کہ تمہیں خوش بو اور بدبو کا فرق نہیں معلوم، تم بے کار ہو تو جواب میں کان کہیں گے کہ اصل میں تم بے کار ہو جو آواز نہیں سنتے۔ بتائیں کان کی بات درست ہے یا نہیں؟

اردگرد اشیا کو دیکھیں۔ بستر لیٹنے کے لئے اور کرسی بیٹھنے کے لئے ہے۔ موزے پیروں میں اور ٹوپی سر پر ہوتی ہے۔ زمین نیچے، چھت اوپر، آلو

زمین کے نیچے اور تربوز اوپر ہوتا ہے۔ اگر آم کی جگہ تربوز درخت پر لگے اور پک کر کسی کے سر پر گرے تو تربوز سلامت رہے گا — ؟ یہ ہنسنے کی بات نہیں، اس میں بھی قانون ہے۔

بات ایک ہے — مادی نظام کو جاری رکھنے کے لئے اختلاف ضروری ہے مگر یہ اختلاف پہچان کے لئے شکلوں تک محدود رہے تو بہتر ہے، اس کو رشتوں سے دور رکھئے تا کہ آپس میں اتفاق رہے۔ رشتوں کے لئے ''احترام کا قانون'' ہے۔

گوشت دستی کا ہو تو بوٹیاں بنانے میں استعمال ہوتا ہے۔ بوٹیاں نہاری کے لئے بنائی جا رہی ہوں تو بونگ کا گوشت استعمال ہوتا ہے۔ زیادہ طاقت کے لئے ہڈی یا پائے کا شوربہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جانور ایک ہے لیکن اس کی مختلف بوٹیوں کا مزہ الگ ہے۔ یہ جو مزہ اور خوش بو ہے اس کی وجہ کیمیکل ہیں جن کی مقداریں الگ ہیں۔

مادی دنیا میں اشیا الگ الگ کیسے بنتی ہیں، یہ سادہ سی مساوات (equation) ہے۔ مادے کی بنیاد ایٹم ہے۔ ایٹم کا وجود الیکٹران اور پروٹان پر قائم ہے۔ جس ایٹم میں ایک الیکٹران اور ایک پروٹان ہے اسے ہائیڈروجن کہتے ہیں۔ جس میں دو الیکٹران یا پروٹان ہوں اسے ہیلیم کہتے ہیں۔ الیکٹران یا پروٹان کی تعداد میں تبدیلی سے فارمولا بدلتا ہے۔ مثال کے طور پر لوہے کے ایٹم میں 26 الیکٹران اور 26 پروٹان ہوتے ہیں۔ 25 الیکٹران یا پروٹان کے حامل عنصر کو مینگنیز کہا جاتا ہے جو فولاد کی تیاری میں استعمال ہوتا ہے۔ 27 الیکٹران یا پروٹان والا عنصر کوبالٹ کہلاتا ہے۔ یہ الیکٹرو پلیٹنگ میں استعمال ہوتا ہے یعنی کسی عنصر کو زنگ سے بچانا۔

مثالوں سے ظاہر ہے کہ مادے کی تشکیل ایٹم میں الیکٹران پروٹان کی تعداد سے ہوتی ہے جو ہر عنصر کے لئے مخصوص ہے۔ الیکٹران پروٹان سونے کے ہوں یا لوہے کے، رہیں گے الیکٹران اور پروٹان۔ عناصر کی تشکیل ایٹم سے ہونے کے باوجود جو چیز بنتی ہے، اس میں فرق آجاتا ہے۔

ایٹم میں موجود الیکٹران کی حرکت لمحے کے لئے نہیں رکتی۔ احساس نہیں ہوتا کہ اطراف میں موجود جتنی اشیا ہیں (بشمول ہمارے)، ان کے گرد تیزی سے حرکت جاری ہے۔

کوئی کہے کہ آپ کے ارد گرد دیوار میں، پاؤں کے نیچے، زمین کے اوپر اور اشیا کے اندر طوفانی حرکت ہو رہی ہے تو کیا آپ مان لیں گے؟

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ matter یا مادہ ایسا دھوکا ہے جس کی تشکیل جن اینٹوں سے ہوتی ہے، وہ اینٹیں ایک ہیں لیکن ان اینٹوں سے بننے والی عمارت ہر عمارت سے مختلف ہے۔

خلاصہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ،

"لوگو! اپنے رب کے لئے تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے تخلیق کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔" (النسآء: ۱)

جوڑے بننا دلیل ہے کہ شے مختلف روپ میں ظاہر ہو رہی ہے جیسے دن اور رات کو ہم الگ الگ سمجھتے ہیں جب کہ یہ ایک شے کے دو رخ ہیں اور ان کا اجتماعی نام "یوم" ہے۔

گھاس خور جانوروں کی افزائش گھاس پھوس سے ہوتی ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو گھاس یا سبزی خور جانور گھاس کی مختلف مقداریں ہیں۔ جو ان جانوروں کو کھاتے ہیں، وہ گھاس کو گوشت کی شکل میں کھاتے ہیں یعنی بنیادی شے یا مسالا ایک ہے، مقداروں میں کمی بیشی یا فرق سے لاتعداد فارمولے بن گئے ہیں جو نظامِ کائنات کا حصہ ہیں اور پہچان کے لئے ضروری ہیں۔

سوز ـــ و ـــ ساز

کچھ بھی عیاں نہاں نہ تھا کوئی زماں مکاں نہ تھا
دیر تھی اک نگاہ کی پھر یہ جہاں جہاں نہ تھا

ساز وہ قطرے قطرے میں سوز وہ ذرے ذرے میں
یاد تری کسے نہ تھی درد ترا کہاں نہ تھا

عشق کی آزمائشیں اور فضاؤں میں ہوئیں
پاؤں تلے زمیں نہ تھی سر پہ یہ آسماں نہ تھا

عشق حریم حسن میں اپنے سہارے رہ گیا
صبر کا بھی پتہ نہ تھا ہوش کا بھی نشاں نہ تھا

ایک کو ایک کی خبر منزل عشق میں نہ تھی
کوئی بھی اہل کارواں شامل کارواں نہ تھا

عشق نے اپنی جان کو روگ کئی لگا لیے
ہجر و وصال امید و بیم کون بلائے جاں نہ تھا

خلوتیان راز سے حال وصال یار پوچھ
حسن بھی بے نقاب تھا عشق بھی درمیاں نہ تھا

دور حیات محض تھا اس کے حریم راز میں
کیف و اثر کا ذکر کیا زیست کا بھی نشاں نہ تھا

شکوۂ درگذر نما کیوں ہے کہ حسن عشق سے
اتنا تو بد گماں نہ تھا اتنا تو سرگراں نہ تھا

(کلام: فراقؔ گورکھپوری)

ملک محمد ناصر

یہ نغمہ فصلِ گُل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

مالی بابا نے کہا، بیج میں سے جو پودا نکلتا ہے، وہ رب کی طرف سے آتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ میں نے بنجر زمینوں کو آباد ہوتے، بیج کو کُھلتے اور کونپلوں کو کِھلتے دیکھا ہے۔

اسپتال کا نظام دن رات سے بے نیاز، تعطل کے بغیر جاری تھا۔ رات میں عموماً لوگوں کی آمد و رفت کم ہوتی تھی لیکن عملہ فرائض انجام دینے کے لئے مستعد رہتا تھا۔ صبح ہوتے ہی مریضوں اور عیادت کے لئے آنے والوں کا رش بڑھ جاتا۔

صبح کے اسٹاف نے ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔ سفید لباس میں نرسیں اور وارڈ بوائے ہر مریض کی ضروریات کا جائزہ لے رہے تھے۔ کوئی بلڈ پریشر چیک کر رہا تھا اور کوئی بخار۔ جس کی چادر تبدیل کرنے اور صفائی کی ذمہ داری تھی، وہ اسے پوری کرنے کے لئے موجود تھا۔

مریم کی ڈیوٹی میٹرنٹی وارڈ میں تھی جہاں پھول بچے پالنے میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ کچھ بچوں کو انکیوبیٹر میں رکھا گیا تھا تاکہ تسلی کے بعد ماں کے سپرد کیا جائے۔

مریم نے بچوں کے کارڈ پر نمبر چیک کئے اور تسلی کے بعد کمرے سے باہر آ گئی۔ پھر کاؤنٹر سے دوائیاں ٹرالی میں رکھیں اور واپس وارڈ میں آکر ہر مریضہ سے خیریت دریافت کر کے فائل چیک کرتے ہوئے دوائی دینے لگی۔ ڈیوٹی کے دوران اس کے چہرے پر نرم و شگفتہ مسکراہٹ ہوتی تھی۔ وہ بچوں کے درمیان خوش رہتی تھی اس لئے اس وارڈ میں ڈیوٹی دینا اسے پسند تھا۔

شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے مگر آنگن میں پھول نہیں کھلا تھا۔ وارڈ میں بچوں کو گود میں اٹھاتے ہوئے وہ اللہ سے اپنے لئے دعا کرتی تھی۔ شوہر اور اس کی میڈیکل رپورٹیں تسلی بخش تھیں۔ بس اللہ کے حکم کا انتظار تھا کہ وہ زمین کو بارآور کر دے۔ قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے ہوئے اسے عجب سرشاری ملتی تھی اور یقین پیدا ہوتا تھا کہ ایک روز اس کی گود بھر جائے گی۔

"اللہ وہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔" (ابرٰھیم : ۳۲)

خوابیدہ زمین اندر موجود ثمرات ظاہر کرنے کے لئے آسمان سے بارش کی منتظر تھی۔

یقین وہ طاقت ہے جس میں مقداروں (تخلیقی فارمولے) کو معین حالت پر لانے اور انہیں ایکٹو کرنے کی صلاحیت ہے۔ تخلیق معین مقداروں کے بغیر نہیں ہوتی۔ جب کسی شے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو بگاڑ کی مقداریں (فارمولا) بھی معین ہوتی ہیں۔ ہر شے کا فارمولا ہے اور وہ فامولے میں رہ کر ظاہر ہوتی ہے۔

دعا کی قبولیت کا وقت آپہنچا تھا۔

بہار نے آمد سے پہلے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ آنگن میں پھول کھلنے والا تھا جس کی خوش بو سے گھر اور زندگی کو مہکنا تھا۔

ماں بننے کی خبر پر جھوم اٹھی۔ سجدۂ شکر ادا کیا کہ اللہ نے اس پر کتنا رحم کیا ہے۔ اندر میں خوشی سے باہر کا ماحول بدل گیا تھا۔ ابھی کئی ماہ باقی تھے مگر نئے مہمان کے لئے چھوٹے چھوٹے کپڑے سینے شروع کر دیئے تھے۔

تخلیق کا کیسا سفر ہے کہ تکلیف میں بھی راحت ہے۔ پھول چننے کی خواہش میں کانٹا چبھ جائے تو چبھن سے سرور ملتا ہے۔

جب وہ کسی نوزائیدہ بچے کو گود میں اٹھاتی تو سینے میں محبت کا طوفان امڈ آتا۔ آنے والے دنوں کی تصویر آنکھوں میں سجتی۔ اس احساس پر وہ بچے کو مزید قریب کر لیتی۔ ساتھی نرسیں اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے گزر جاتی تھیں۔

مریم شفٹ پوری کر کے گھر کے لئے روانہ ہوتے ہوئے اسپتال سے نکل رہی تھی کہ باغ میں مالی بابا کام کرتے ہوئے نظر آئے جو گملوں میں نئے موسم کے پودوں کی پنیری لگا رہے تھے۔

اس نے انہیں سلام کیا۔

وہ بولے، ننھے بچے اللہ تعالیٰ کے باغ کی پنیری ہیں۔ ان کو پروان چڑھانے کے لئے بہت محنت اور نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی کے چراغ کی لَو کو ناموافق ہواؤں سے بچانے کے لئے مالی بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ اپنا سب نچھاور کرنے سے پودا پروان چڑھتا ہے۔ پھول آتے ہیں، پھل لگتے ہیں اور پھلوں میں بیج کے اندر، آنے والی نسلوں کا ریکارڈ ہوتا ہے۔

مریم کچھ دیر کے لئے کیاری کے قریب بیٹھ گئی اور انہماک سے مالی بابا کی باتیں سننے لگی۔

وہ کہہ رہے تھے کہ ہر نسل کے پودے کا مزاج منفرد ہے۔ یہ الگ موسم اور منفرد آب و ہوا میں پھلتے پھولتے ہیں۔ قدرت جب ماں کے من میں محبت کا بیج بوتی ہے، بیج کی ساخت کے مطابق افزائش کرنے کے ساتھ ماں کی تربیت بھی کرتی ہے۔ ماں اپنی نفی کر کے بچے کے لئے ایثار کرتی ہے۔ محبت کے بغیر بچے کی تشکیل اور پرورش ممکن نہیں۔ جب محبت کا بیج پھوٹتا ہے تو اس کی خوش بو ماں کو مست و بے خود کر دیتی ہے۔ اسی مستی و بے خودی کا نام — مامتا ہے۔

مریم جب وہاں سے اٹھی تو مالی بابا نے پھول اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، تحفہ دینا خوش بو سے بھرپور عمل ہے جس سے رشتے مہکتے ہیں۔

شادی کی سالگرہ تھی۔ خالد کے ساتھ گھر کو نئے سرے سے سجانے اور دیواروں پر بچوں کی تصویریں لگانے کا ارادہ تھا۔ خالد نے کہا کہ وہ یہ سب اکیلے کرلے گا لیکن وہ نہیں مانی۔ قدموں میں عجب سرشاری اور تیزی تھی۔ خالد کچھ دیر کے لئے وہاں سے ہٹا تو وہ اسٹول پر چڑھ کر دیوار میں کیل ٹھوکنے لگی۔ اسٹول کا توازن بگڑا اور ایک چیخ بلند ہوئی۔ خالد بدحواس ہو کر دوڑتا ہوا آیا اور بیوی کو دیکھ کر ہاتھ پیر پھول گئے۔

اسپتال کا عملہ اسے جانتا تھا۔ آنکھ کھلی تو امید سے ڈاکٹر اور نرسوں کے چہروں کو دیکھا۔ نگاہوں میں التجا تھی کہ اسے بری خبر نہ سنائی جائے مگر سب کے چہرے پر خاموشی دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ اس نے اپنا بچہ کھو دیا ہے۔ دل میں درد اتر آیا۔ شدتِ کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔ کناروں سے آنسو باہر آئے اور آتے رہے۔ اسے آرام کے لئے چھٹیاں دے دی گئی تھیں۔

سہانے سپنے ٹوٹ گئے تھے۔ وہ اس لمحے کو واپس لانا چاہتی تھی جب خالد نے اسٹول پر چڑھنے سے روکا تھا۔ کاش! اس کی بات مان لیتی۔ شوہر کی آنکھوں میں بھی اداسی تھی مگر وہ اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ روشنی کی تلاش میں جگنوؤں کے پیچھے بھاگتے ہوئے وہ ایسے گری کہ مٹھی میں بند جگنو نے روشنی کھو دی۔ سحر کے انتظار میں شب طویل ہو گئی تھی۔

مریم کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں اور طبیعت پہلے سے بہتر تھی مگر جینے کی امنگ نہیں رہی تھی۔

حسبِ معمول سفید یونیفارم پہن کر اسپتال آئی۔ سب سے پہلے مالی بابا سے سامنا ہوا۔

انہوں نے سر اٹھایا تو حیرت بھری خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے، اوہ! مریم بیٹی آئی ہے۔ اللہ سکھی رکھے۔ بہت دعائیں کی ہیں تمہارے لئے۔ پھر سے کام پر آگئی ہو۔ یہ دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ اب ٹھیک ہو—؟

مریم نے سامنے تعمیر ہونے والے کمروں کی دیوار میں خالی جھروکوں کو دیکھ کر پوچھا، بابا جی! کیا دیوار میں جھروکے یوں ہی خالی رہیں گے ؟

مالی بابا نے یقین سے کہا، خالی جھروکے کبھی بے آباد نہیں رہتے۔ پرندے آکر ان کو آباد کریں گے۔ کچھ بھی خالی نہیں ہے۔ ہر جگہ کسی نہ کسی کے لئے بنی ہوئی ہے۔

لیکن بابا! میں تو خالی رہ گئی۔ ایک خوشی ملی تھی وہ بھی چلی گئی۔ سب کچھ بدل گیا۔

کچھ نہیں بدلا۔ کب تک گزرے لمحوں پر ماتم کدہ رہو گی۔ یہ لباس جو تم نے پہنا ہے، خوشیوں سے بھرپور دنوں کی نوید دیتا ہے۔ ناامیدی سے نکل آؤ۔ اوپر والے کے پاس کمی نہیں ہے۔ وہ تمہاری گود بھر دے گا۔ اس کی محبت کو منفی سوچ کے کوزے میں بند مت کرو۔ تخلیق ہمیشہ یقین سے ہوتی ہے اور یقین کی مقداریں مکمل ہونے پر ظاہر ہوتی ہے۔

مالی بابا! آپ کو یقین کہاں سے ملا؟

انہوں نے کہا، رب کی طرف سے۔ بیج میں سے جو پودا نکلتا ہے، وہ رب کی طرف سے آتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ میں نے بنجر زمینوں کو آباد ہوتے، بیج کو کُھلتے اور کونپلوں کو کِھلتے دیکھا ہے۔

سب نے اسے خوش آمدید کہا۔ کسی نے یہ تاثر نہیں دیا کہ وہ حادثے سے گزر کر آئی ہے۔ وہ اسے زندگی کی طرف واپس لانا چاہتے تھے۔

وہ وارڈ کی طرف بڑھ گئی۔ بیڈ نمبر سات کی مریضہ کے چہرے پر ناتوانی کے سبب زردی پھیلی ہوئی تھی۔ غریب گھر کی لگتی تھی۔ پرانے کپڑوں میں ملبوس آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ پیشنٹ شیٹ چیک کی تو معلوم ہوا کہ چند روز پہلے اس کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا تھا۔ مریم کے ہاتھوں میں لرزش آگئی۔ اسی اثنا میں ایک بیڈ چھوڑ کر دوسرے بیڈ پر نرس نومولود بچہ ماں کو دے رہی تھی۔ مبارک باد کی آوازیں آنے لگیں۔ بیڈ نمبر سات کی مریضہ نے آنکھیں کھولیں اور گردن

گھما کر دائیں جانب دیکھا تو آنکھیں بھر آئیں۔ وہ کہنیوں کے سہارے بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مریم نے بیٹھنے میں مدد کی۔

بھرائی ہوئی آواز میں برابر والی عورت سے بولی، باجی! ہمیں اپنا کاکا نہیں دکھاؤ گی؟

آواز میں کیا نہیں تھا۔

ماں نے میکانکی انداز میں اپنے بچے کو اس کی طرف بڑھایا۔ مریم نے آگے بڑھ کر بچہ گود میں لیا اور بیڈ نمبر سات کی مریضہ کے قریب کیا۔ اس نے سر پر ہاتھ رکھ کر سلامتی کے ساتھ لمبی عمر اور اچھے نصیب کی دعا دیتے ہوئے کہا، باجی! مبارک ہو۔ ماشاء اللہ کیسا پیارا بچہ ہے۔ رب سلامت رکھے اور جہاں بھر میں خوشیاں بانٹنے والا بنائے۔ پھر وہ اپنے دوپٹے کی گرہ کھولنے لگی۔ سو روپے کا مڑا ہوا نوٹ تھا جسے سیدھا کرکے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ننھے بچے کے لحاف میں رکھتے ہوئے بولی، یہ اس کی پہلی سلامی ہے۔

مریم نے بچہ واپس ماں کی گود میں دیا اور سوچنے لگی کہ یہ کون ہے اور کیا رشتہ ہے اس کا بچے سے۔ اس کی گود خالی رہ گئی مگر کیسی ہمت والی ہے کہ اپنی خالی گود کا غم ایک طرف کرکے جس کی گود بھری ہے، اس کی خوشیوں میں شریک ہورہی ہے۔

جب وہ بیڈ نمبر سات کی مریضہ کے پاس واپس آئی تو اس نے ایک عزم سے مریم سے کہا، رب دینے والا ہے، سب کی گود بھرتا ہے، میری بھی بھردے گا۔ محبت کے بیج کو کُھلنا ہی ہے۔ محبت کے پھول کو کِھلنا ہی ہے۔

مریم اس کی بات سن کر ساکت ہوگئی تھی۔

سامنے لیٹی ہوئی عورت غریب نظر آتی تھی مگر جذبوں اور رشتوں میں امیر تھی۔ محبت کسی کو خالی رہنے نہیں دیتی۔

مالی بابا کی بات یاد آئی۔ انہوں نے ایک بار کہا تھا، محبت indoor plant ہے۔ یہ من میں پھوٹتی ہے، پھلتی پھولتی ہے۔ اس کی خوشبو وجود کو حصار میں لے لیتی ہے۔

مریم نے سچے جذبوں سے گندھی بہادر عورت کے الفاظ دہراتے ہوئے پُریقین لہجے میں خود سے کہا، رب دینے والا ہے، سب کی گود بھرتا ہے، میری بھی بھردے گا۔ محبت کے بیج کو کُھلنا ہی ہے، محبت کے پھول کو کِھلنا ہی ہے۔

یہ نغمہ فصلِ گُل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

چاند کی کرنوں سے ــــ
گھنے اور لمبے بالوں کی نشو ونما

45 سال سے خواتین کا پسندیدہ

روغن گلو سبز

کراچی	:021-36039157	فیصل آباد	:041-8540132	پشاور	:03219110156
حیدرآباد	:0222781798	لاہور	:03224112737	مانسہرہ	:03005621447
میر پور خاص	:03133508543	راولپنڈی	:051-5169242	مظفر آباد	:05822446661
ڈگری	:03453700144	اٹک	:03135168800	میر پور	:03455701558
ملتان	:03006338192	ہری پور	:03135914147		

خالدہ زبیر

پتھر کا زمانہ ہے پتھر میں اسیر

قدیم دور میں سنگ تراشوں نے پتھروں کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا تو انہیں پتھر کی رگوں میں روشنی نظر آئی۔ انہوں نے ان کو قیمتی جان کر کرنسی کے طور پر استعمال کیا۔

نظامِ کائنات میں ہر تخلیق ایک سے زائد معین کردار ادا کرتی ہے۔ ہر فرد کے ذیلی کردار ہیں اور ہر کردار کا کوئی نام ہے۔ اس طرح ایک فرد چاہے اس کا تعلق کسی بھی نوع سے ہو، مختلف روپ اور خصوصیات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔

مکئی: مکئی کا بیج کُھلنے سے پودا نکلتا ہے اور مختلف حالتوں سے گزرتا ہے۔ پھر بھٹّے کی صورت میں پھل ظاہر ہوتا ہے۔ بڑوں اور بچوں کا پسندیدہ بھٹّا نمک میں بھونا جاتا ہے تو زبان مکئی کے منفرد اور مزے دار ذائقے سے محظوظ ہوتی ہے۔ اسی طرح خشک مکئی کے بھنے ہوئے دانے، پاپ کارن، آٹا، آٹے کے بعد روٹی، مکئی کی ذیلی صورتیں ہیں۔ غور و فکر سے وابستہ خواتین و حضرات کو اس مظہر میں ایک ہی بات نظر آتی ہے کہ مکئی کی طرح ہر تخلیق روپ روپ میں ظاہر ہو کر اللہ کی نشانیوں کا تعارف پیش کرتی ہے۔

زندگی ایسے مظاہر سے مزین ہے جن سے کائنات کے رموز آشکار ہوتے ہیں۔ مکئی کی طرح دہی، مکھن، گھی، لسّی، ملائی، کھویا، پنیر وغیرہ دودھ کے ذیلی روپ ہیں۔ شے کے سینکڑوں ظاہر ہیں مگر اصل سب کی ایک ہے۔ ایک سے بننے والی ہر شے مرحلہ وار دوسری اشیا کا حصہ ہے اور وہ دوسری شے خود کئی اجزا کا مرکب ہے۔ یوں تہ در تہ ہر شے ایک ہے اور — اس ایک شے میں زندگی کا جوہر مخفی ہے۔

ہر مظہر کی طرح پتھر کی بھی ایک دنیا ہے جو ذرّے سے شروع ہوتی ہے۔ ذرّے کا باطن لہر اور لہر روشنی ہے۔ پتھر ذرّات کا مجموعہ ہے۔ ذرّات کہیں پہاڑ ہیں تو کہیں سمندر، کہیں زمین کی سطح اور کہیں گہرائی۔ گہرائی میں تشکیل پانے والے عناصر قیمتی ہوتے ہیں۔ یہ خاص ترتیب،

دباؤ اور درجۂ حرارت سے گزر کر اعلیٰ رنگ کے خوب صورت قیمتی نگینے بن جاتے ہیں۔

فوائد اور خصوصیات میں بے مثل یہ پتھر زمین کی چٹانوں میں، سمندر کی گہرائی اور آتش فشاں میں پیدا اور جوان ہوتے ہیں۔ زمین کی پلیٹوں میں حرکت ہوتی ہے یا خشکی اور پانی میں آتش فشاں پھٹتے ہیں تو نوادرات اوپر آتے ہیں۔ جب یہ انسانی ہاتھوں میں پہنچتے ہیں تو ریاضت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ آگ کی حدت، دباؤ کی شدت، گھسائی اور ضربوں سے اندر میں سے ظاہر ہونے والی چمک نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔

ہیرا کیا ہے—؟ کوئلے کے خاندان کا پتھر ہے۔ قدرت ہزاروں کوئلوں میں سے ایک کو منتخب کر کے کسی قدر دان کے ہاتھوں میں پہنچا دیتی ہے جو اسے ہیرا بنا دیتا ہے۔

جب دل سے نظر اہلِ دل کرتے ہیں
تاباں دل بے نور بشر کرتے ہیں
سینے میں جگہ دے کے صدف کی صورت
ہو ریت کا ذرّہ تو گہر کرتے ہیں

زیورات میں استعمال ہونے والے مختلف اقسام کے پتھر gemstones کہلاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لفظ ''جم'' کا تعلق شاہِ ایران، جمشید کے جامِ جم سے ہے۔ ایرانی مورخین کے مطابق بادشاہ جمشید کے پاس پیالہ تھا جس میں وہ دنیا بھر کے حالات و واقعات اور گردشِ ارض و سما دیکھتا تھا۔ جم شید کا معنی چمک دار شے ہے۔ لفظ جم کا اطلاق تمام تراشیدہ قیمتی پتھروں پر ہوتا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ زیادہ تر پتھر زمین میں تقریباً تین سے 25 میل جب کہ ہیرے 125 میل سے زیادہ گہرائی میں بنتے ہیں۔ کچھ نگینے معدنی چٹانوں کے سوراخوں میں پانی جمع ہونے سے تشکیل پاتے ہیں۔ پانی معدنیات میں حل ہو کر محلول بنتا ہے پھر دباؤ، حرارت اور انجماد کے مرحلے سے گزر کر نگینہ بن جاتا ہے۔

مشہور ہے کہ یاقوت آبِ شیریں سے بنتا ہے۔ طویل عرصے تک دو پتھروں کے درمیان جمع میٹھا پانی گاڑھا ہو کر سخت ہو جاتا ہے۔ پھر مخصوص کیمیائی ترکیب سے یاقوت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ کچھ پتھر تاریکی میں چمکتے ہیں۔ اس کی وجہ ان میں فاسفورس کی موجودگی ہے۔

پتھروں کی بڑی خوبی ان کا رنگ ہے جو زمین کے اندر کیمیائی مادوں اور گیسوں کے تعامل سے بنتا ہے۔ رنگ بدلنے سے خواص بدلتے ہیں۔

نگینے یا رنگین قیمتی پتھروں میں تابکاری کا عمل مسلسل ہوتا رہتا ہے۔ یہ مختلف رنگ کی روشنیاں

جذب اور منعکس کرتے ہیں جو متنوع خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔ پتھروں کو رگڑنے سے برقی قوت پیدا ہوتی ہے اور کچھ دیر برقرار رہتی ہے۔ برقی قوت میں موجود مثبت چارج چیزوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے جب کہ منفی چارج پیچھے دھکیل کر گریز کا کام انجام دیتا ہے۔

پتھروں کے ایٹم آپس میں سختی سے جڑے ہوتے ہیں اور عموماً ان کو دوسرے پتھروں کے ذریعے کاٹا جاتا ہے تاہم ہیرا واحد پتھر ہے جس کو سخت ترین یاقوت اور نیلم سے بھی نہیں کاٹا جاسکتا، ہیرا ___ ہیرے سے ہی کٹتا ہے۔

قدیم دور میں جب سنگ تراشوں نے پتھروں کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا تو انہیں پتھر کی رگوں میں روشنی نظر آئی۔ انہوں نے ان کو قیمتی جان کر کرنسی کے طور پر استعمال کیا۔ ساحل کے قریب رہنے والوں کی کرنسی چمکیلے سیپ، کوڑیاں اور موتی تھے۔ پھر پتھروں میں چمک دمک نے آدمی کو ان کے خواص کی طرف متوجہ کیا۔ تحقیق سے طبعی اور کیمیائی خصوصیات کا علم ہونے سے رفتہ رفتہ درجہ بندی ہوئی۔ یوں چمک میں اعلیٰ پتھر قیمتی ہوگئے۔ ہیرا، نیلم، زمرد، یاقوت، پکھراج، زرقون، فیروزہ، مرجان اور موتی سے سب واقف ہیں۔ ہر پتھر ہر کسی کو راس نہیں آتا۔ علمِ الجواہر کے مطابق بعض پتھروں کے اثرات سے شاہ ___ گدا اور گدا ___ شاہ بن جاتے ہیں۔

سورۃ الرحمٰن میں موتی اور مرجان کا تذکرہ ان کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ موتی کو تراش کی ضرورت نہیں۔ یہ چمک دار اور قوسِ قزح کے حامل رنگوں سے مزین ہوتا ہے۔ سمندر کی تہ میں ملتا ہے۔ جسامت میں دال کے دانے سے لے کر چڑیا کے انڈے جتنا ہوتا ہے۔ ابرِ نیساں جب سیپ کے پیٹ میں جاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے۔ موتی کے بے پناہ طبی فوائد ہیں۔ اس کے پہننے سے نقصان نہیں ہوتا۔

مرجان آبی حیوان پولپ سے تخلیق ہوتا ہے اور اعلیٰ جواہر میں شمار ہوتا ہے۔ موتی کی طرح اس کے پہننے سے بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں،

"سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

'چلائے دو دریا مل کر چلنے والے۔ ان دونوں میں ایک پردہ ہے کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

نکلتا ہے ان دونوں میں سے موتی اور مونگا۔'
اللہ تعالیٰ نے یہ تذکرہ نہیں فرمایا کہ موتی اور مونگے کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور خاصیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں بلکہ عبارت پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ دو پانی جو سمندر میں چل رہے ہیں، مختلف رنگ رکھتے ہیں۔ یہ ایک رنگ کا پانی دوسرے رنگ کے پانی سے بالکل نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اساس قرار دیا ہے۔ اس کے بعد موتی اور مرجان کا تذکرہ کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رنگوں میں تاثیرات ہیں۔ یہ اصول بنیادی ہے۔ چاہے وہ پانی میں ہو، شیشے میں ہو، مٹی، پتھر یا دھات میں ہو۔ یہاں ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ اثرات رنگوں میں ہوتے ہیں اور جہاں تک انگوٹھی میں پتھر یا نگینہ پہننے کا تعلق ہے، معمولی نگینہ بھی اپنے رنگ کی بنا پر وہی خاصیت رکھتا ہے جو قیمتی پتھر رکھتا ہے۔"

(کتاب: رنگ و روشنی سے علاج)

زمین کی تہوں میں ایسے ہزارہا عجائبات ہیں جو خصوصیات میں بے مثل ہیں۔ قدرت آگ، ہوا، مٹی اور پانی کی مختلف تراکیب (فارمولوں) سے ان گنت نگینے تیار کرتی ہے جن کے فارمولے غور و فکر کرنے والوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔

عجیب و غریب پتھر

حجرِ حوت: ایک مچھلی کے پیٹ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے پتھری کا علاج کیا جاتا ہے۔

حجرِ صنوبر: روایت ہے کہ ابابیل کے گھونسلے میں سرخ اور سفید پتھر ملتے ہیں جو مرگی کے مرض میں مفید بتائے جاتے ہیں۔

سنگِ دجاج: جنگلی پرندوں کے فضلے میں ہوتا ہے۔ یہ مرگی اور یرقان کا علاج سمجھا جاتا ہے۔

سنگِ عقاب: باز کے گھونسلے میں ملتا ہے، اس میں کھنکھناہٹ ہوتی ہے۔

سنگِ جالب النوام: سرخ چمک دار پتھر ہے۔ دیکھنے پر محسوس ہوتا ہے کہ دھواں نکل رہا ہے۔ رات میں بے انتہا چمکتا ہے۔ چراغ اور ستارے کی طرح جھلملاتا ہے۔ روایت ہے کہ سوئے ہوئے فرد کے سرہانے رکھ دیا جائے تو وہ تب تک سویا رہتا ہے جب تک یہ سرہانے موجود رہے۔

سنگِ باہتہ: سفید، چمکیلا اور پرکشش پتھر ہے جسے دیکھنے والا بے اختیار ہنسنا شروع کر دیتا ہے۔

سنگِ تدمبر: مہلک پتھر ہے۔ زہریلی گیس خارج ہوتی ہے۔ محض سونگھنے سے خون جم جاتا ہے۔

سنگِ پومیک: غالباً دنیا کا واحد پتھر ہے جو ہلکا ہونے کی وجہ سے پانی میں تیر سکتا ہے۔ لاوے سے بنتا ہے اور چھری سے بآسانی کٹ جاتا ہے۔

عنوان آپ لکھیں

ماحولیاتی نظام میں توازن کے لئے فطرت کا اپنا ایک نظام ہے اور ہر شے اس نظام کو قائم رکھنے کے لئے قدرت کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے اپنا فریضہ انجام دیتی ہے۔ لیکن بات جب مصنوعی ماحول کی ہو جس میں آدمی کا عمل دخل ہے تو کچھ بھی غلط ہو سکتا ہے۔

موسم گرما کی آمد سے پہلے وہ گھر کے ایک حصے میں چھوٹا تالاب بنانا چاہتی تھی جس کے چاروں کنارے آبی پودوں سے سجے ہوئے ہوں۔ فطرت سے محبت ورثے میں ملی تھی — وہ ورثہ جو نوعِ آدم کا ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ درختوں کی شاخوں پر بسیرا کرنے والے پرندوں کے علاوہ، مہمان پرندے، باغ میں مقیم حشرات اور بھولے سے اس مقام کا رخ کرنے والے جانوروں کو سبز رنگ کی راحت، آرام کے لئے چھاؤں اور پینے کے لئے صاف پانی میسر ہو۔

وہ بیٹی کے ہمراہ پودوں کی نرسری کی طرف جارہی تھی۔ دونوں سائن بورڈ پر لکھے اشاروں کی مدد سے راستہ تلاش کرتے ہوئے سایہ دار وسیع علاقے میں داخل ہوئیں جس کے وسط میں خوب صورت تالاب تھا اور چاروں طرف بڑے اور گھنے درخت تھے جن کی شاخیں جھک کر تالاب کی سطح سے پانی پی رہی تھیں۔ کیا حسین نظارہ تھا!

رنگ رنگ کنول کے پھول تالاب میں پتّوں کی مسند پر شان سے براجمان تھے۔ قسم قسم کے آبی پودے تھے جن کو دیکھ کر وہ متحیر رہ گئی تاہم کچھ پودوں سے وہ واقف تھی۔ ان میں اس کا پسندیدہ پودا برگِ کاہو بھی تھا۔

اس منظر نے کئی سالوں کی مسافت طے کر کے ماضی کے اس منظر سے جوڑ دیا جب وہ اپنی بیٹی کی عمر کی تھی۔ ایک شام یونیورسٹی سے واپس آئی تو گھر میں بنے تالاب کے پاس سے گزرتے ہوئے رک گئی۔ یہ اماں نے محنت سے بنایا اور سجایا تھا۔ شفاف پانی کی سطح پر بہت سے برگِ کاہو تالاب کی شان بڑھارہے تھے۔

پیچھے سے آواز آئی، کیسا لگا سرپرائز؟

وہ مڑی اور چہکتے ہوئے ماں کو گلے لگالیا۔

اماں نے کہا، تالاب کے اندر دیکھو، کوئی اور بھی دید کا منتظر ہے۔ پانی میں جھانکا تو رنگ رنگ مچھلیاں یہاں وہاں تیرتی ہوئی اور دائروں میں رقصاں نظر آئیں۔ اوپر کنول کے پھول خوش تھے تو اندر مچھلیاں خوشی سے جھوم رہی تھیں۔ یہی اس کی خوشیاں تھیں اور یہ دن زندگی کے یادگار دنوں میں سے ایک تھا۔ محبت کا تحفہ جو ماں سے ملا تھا— آج بیٹی کو منتقل کرنا چاہتی تھی۔

سرخ پھولوں والے بوتل نما درخت کے نیچے بچھائی گئی خوب صورت بینچ کی طرف بڑھی۔ پھولوں کے نرم دندانوں نے ہوا کے اشارے پر جھولتے ہوئے رخساروں کو چھوا تو وہ مسکرادی۔ ایک نظر بیٹی کو دیکھا جو اب تک تالاب کے پاس کھڑی ہوئی تھی اور اندر کی دنیا میں گم تھی۔

پوچھا، تالاب میں ایسا کیا ہے جو اتنے غور سے دیکھ رہی ہو؟ آواز سن کر وہ جیسے حصار سے نکلی۔

اماں! تالاب میں سینکڑوں مچھلیاں ہیں۔ میں نے ان سے زیادہ خوش رہنے والی مخلوق نہیں دیکھی ۔ ان میں اتنی ہم آہنگی کس طرح ہے؟

حیات کے تسلسل نے اسے سحر انگیز کر دیا۔ ہر مخلوق بقائے باہمی کے رشتے میں بندھی ہوئی ہے۔ زمانۂ طالب علمی میں حیاتیات کے مضمون میں پڑھا تھا کہ بقائے باہمی کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ دو افراد یا نوع کو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچنا۔

۲۔ ایک کو فائدہ پہنچنا اور دوسرے کا غیر متاثر رہنا۔

۳۔ ایک کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان پہنچنا۔

آہ بھرتے ہوئے سوچا کہ ہم آدمی بقائے باہمی کے تیسرے درجے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے فائدے کے لئے کسی کو نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرتے — خود غرضی نے تنگ نظری پیدا کر دی ہے۔ آس پاس کچھ نظر نہیں آتا۔

میں نے بیٹی سے کہا، مچھلی اور پودوں میں باہمی بقا کا رشتہ ہے۔ مچھلی کو پودوں سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ پودے آکسیجن خارج کرتے ہیں اور پانی میں سے کاربن ڈائی آکسائیڈ اور امونیا گیس کو جذب کرتے ہیں جو مچھلی کے فضلے سے بنتی ہے۔ آبی پودوں کے ذریعے زیر سطح پانی کا ایکو سسٹم (ماحولیاتی نظام) متوازن رہتا ہے جس سے پانی کی مخلوقات کو صحت افزا ماحول ملتا ہے۔ پانی میں اس جگہ کو دیکھو جہاں سورج کی روشنی پڑ رہی ہے، پودوں نے کس طرح مچھلیوں کو گھر اور تحفظ فراہم کیا ہے۔

وہ دونوں اس طرف گئیں جہاں تالاب کے اندر کی دنیا پر سورج کے ذریعے آنے والی کرنوں کا براہِ راست عکس پڑ رہا تھا۔ بیٹی سے کہا، تمہیں معلوم ہے کہ جب مچھلی حاملہ ہوتی ہے تو انڈے دینے کے لئے پودوں کی جڑوں میں چھپ جاتی ہے اور جڑیں نوزائیدہ مچھلی کے لئے پناہ گاہ بن جاتی ہیں۔ یہی نہیں، پودے کائی (algae) کی پیداوار روک کر مچھلی کے فضلے، خوراک کے اجزا اور دیگر چیزوں سے پانی کی صحت کو بہتر بناتے ہیں۔ پودے پانی میں تیزابیت کی سطح اعتدال میں رکھنے کے لئے مستقل جدوجہد کرتے ہیں۔ جب وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتے ہیں تو اس سے پانی میں تیزابیت کی سطح بہتر ہوتی ہے۔ کیا تم جانتی ہو کہ مچھلی اور پودوں کا ایک دوسرے کے بغیر زندہ رہنا مشکل ہے؟ مچھلی سے فضلہ خارج نہ ہو تو پودوں کو غذائیت نہیں ملے گی اور وہ مر جائیں گے۔ پودوں کی جڑیں مچھلی کے فضلے کو جذب نہ کریں تو پانی زہریلا ہو جائے گا۔

بیٹی تحسین آمیز لہجے میں بولی، واہ اماں! پانی کی دنیا تحقیق کرنے والوں کے لئے کس قدر وسیع ہے۔ لیکن صرف یہی کیوں—؟ ہم بھی دوسری نوعوں سے باہمی بقا کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور بقا کے لئے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ ہمارے جسم میں جرثومے ہیں — میں نے پڑھا تھا کہ انسانی آنت میں بیکٹیریا کی تقریباً ایک ہزار اقسام ہیں جن میں سے بیشتر صحت کے لئے اہم ہیں۔ ان سے نظامِ ہضم میں مدد ملتی ہے، قوتِ مدافعت بہتر ہوتی ہے اور مرکزی اعصابی نظام کو تقویت پہنچتی ہے۔

ماں نے کہا، یہ درست ہے۔ ماحول میں ہر چیز بقا کے لئے ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہے۔ میں نے گھر میں تمہارے لئے چھوٹا سا تالاب بنایا ہے، آؤ! اس کے لئے پودوں کا انتخاب کریں۔

ماں بیٹی نے من پسند پودے خریدے۔ جب خریداری ہو گئی تو بیٹی نے بولتی ہوئی آنکھوں سے ماں کو دیکھا۔ ماں نے آنکھوں میں چمک پہچان لی— وہ تالاب میں مچھلیاں رکھنا چاہتی تھی۔

تین گپی* مچھلیاں خریدیں جن کی دیکھ بھال نسبتاً آسان تھی۔ ان میں سے دو کے رنگ سیاہ اور تیسری مچھلی نارنجی رنگ کی تھی۔ جب تک

* گپی مچھلی (یہ دنیا میں وسیع پیمانے پر پائی جانے والی میٹھے پانی کی مچھلی ہے۔ زیادہ تر ایکوریم میں رکھی جاتی ہے۔ اس کو ملین اور رینبو مچھلی بھی کہتے ہیں۔ پانی میں مچھروں کے انڈے کھاتی ہے۔)

دونوں گھر پہنچیں، بیٹی نے مچھلیوں کا نام رکھ لیا تھا۔ سیانی، میا اور آرو۔

اصل مرحلہ اب شروع ہوا۔ تالاب کو صاف کرکے پھولوں اور پودوں سے سجانا تھا جو مچھلی اور پودے دونوں کے لئے محفوظ ہو۔ اندازہ نہیں تھا کہ آگے کیا کچھ ان کا منتظر ہے۔ مچھلی اور پودوں کی دیکھ بھال کے بارے میں معلومات پڑھیں کہ کس طرح ان کے ماحول میں توازن رکھا جائے۔

ماحولیاتی نظام میں توازن کے لئے فطرت کا اپنا ایک نظام ہے اور ہر شے اس نظام کو قائم رکھنے کے لئے قدرت کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے اپنا فریضہ انجام دیتی ہے۔ لیکن بات جب مصنوعی ماحول کی ہو جس میں آدمی کا عمل دخل ہوتا ہے تو کچھ بھی غلط ہو سکتا ہے۔

تالاب تیار ہو گیا تو چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنی کاوش کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو سراہتے ہوئے آہستہ سے مچھلیاں تالاب میں چھوڑ دیں۔ بوتل سے چھوٹے تالاب میں جاتے ہی مچھلیوں میں چستی آگئی اور وہ تیزی سے تیرنے لگیں۔ ان میں توانائی دیکھ کر خیال گزرا کہ رہائش کی تبدیلی کی وجہ سے ان کے اعصاب پر دباؤ پڑا تھا۔

مچھلیوں سے سرگوشی کی، بہت معذرت بچو! ہم آپ کا خیال رکھیں گے اور خوش رکھنے کی پوری کوشش کریں گے۔

دن گزرا اور رات آئی۔ مچھلیوں کے لئے کھانا رکھ کر دونوں سونے چلی گئیں۔

صبح وہ تالاب کی طرف آئی تو یہ دیکھ کر قدم جم گئے کہ سیانی کا مردہ جسم پانی میں تیر رہا تھا جب کہ باقی دو مچھلیوں کے تیرنے میں ایک روز پہلے جیسی چستی نہیں تھی۔ تالاب کا پانی بھی اداس تھا۔ وہ یہ منظر بیٹی سے چھپانا چاہتی تھی کہ اپنے پیچھے سسکیاں سنائی دیں۔۔۔بیٹی جاگ گئی تھی اور نئے دوستوں کو صبح بخیر کہنے آئی تھی۔

گلے لگا کر کچھ دیر رونے دیا پھر کہا، آؤ اس کی تدفین کرتے ہیں۔ چھوٹے گملے میں مٹی بھری، سیانی کو سفید ٹشو پیپر میں لپیٹا اور آہستہ سے گملے میں رکھ دیا۔ اس پر مٹی ڈالی اور دعا کی۔ آخر میں گملے کو سرخ پھولوں سے ڈھکتے ہوئے بیٹی سے کہا، گملے کو غور سے دیکھو۔ اب سے اس میں سیانی کی خوش بو ہو گی، اس کا جسم جلد مٹی ہو جائے گا اور اس مٹی سے پودے کی اچھی افزائش ہو گی۔ ہم میں سے کوئی مستقل نہیں ہے۔ مٹی کا جسم دنیا

میں چھوڑ کر سب کو اللہ کے پاس جانا ہے۔

سیانی کیوں مری ـــ؟ یقیناً کوئی غلطی ہوئی تھی جس کا معلوم ہونا ضروری تھا۔ اس نے کہا،

”یا اللہ! آپ کا نظام آپ ہی چلاسکتے ہیں۔ کس کی حفاظت کیسے کرنی ہے، یہ آپ کو معلوم ہے۔ آپ نے کامل نظام بنایا ہے۔ ہر نوع کی دیکھ بھال اور ان کی باہمی بقا کا خیال رکھا ہے۔ یا اللہ! آپ کی صناعی میں ہمارے سیکھنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ ہماری کوتاہیوں کو درگزر فرما اور ہمیں اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، آمین۔“

ماں بیٹی نے سارا دن تحقیق میں صرف کیا کہ نئے پودوں اور مچھلیوں کی دیکھ بھال کیسے کی جائے۔ رات کو سونے لیٹیں تو دونوں بے چین تھیں۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا اور ہونی ہو کر رہتی ہے۔ رات گزری، صبح ہوئی۔ وہ چھوٹے تالاب کی طرف گئیں تو جس کا خدشہ تھا وہ ہو چکا تھا۔ ایک اور مچھلی مردہ حالت میں تیر رہی تھی۔ بھاری دل کے ساتھ اسے بھی دفن کر دیا۔

کسی ماہر شخص سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔

گھر کے قریب فشری میں گئیں اور اس سے کہیں زیادہ معلومات لے کر آئیں جو انٹرنیٹ سے حاصل کی تھیں۔ نظریاتی علم تجربے کا بدل نہیں ہو سکتا۔ کتابی معلومات ان کے پاس تھیں لیکن استاد نہیں تھا جو دن رات مچھلیوں کی دیکھ بھال کرتا ہے، غذا اور صحت کا خیال رکھتا ہے اور قدرت کی صناعی پر غور کر کے جان لیتا ہے کہ کس مچھلی کو کس ماحول میں رکھنا ہے اور اس کے آس پاس کیا چیزیں ہونی چاہئیں۔

مچھلیوں کو بیرونی ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کی ان کی کوشش ناکام ہوگئی تھی۔ جو ماحول ان کو دینے کی کوشش کی گئی تھی، سود مند ثابت نہ ہو سکا۔ فشری سے ملنے والی معلومات پر عمل کرتے ہوئے وہ زندہ بچ جانے والی میا کو گھر کے اندر لے آئیں۔ دن ذہنی دباؤ میں گزرا۔ مسلسل نگاہ رکھی اور آدھے منٹ کے لئے بھی غافل نہیں ہوئیں۔ جب ماں وہاں سے ہٹتی تو بیٹی موجود ہوتی اور بیٹی کی غیر موجودگی میں ماں نے نظر رکھی۔

دن گزرا ـــ رات آئی۔ آج کی رات ان کے لئے اہم تھی۔ سونے سے پہلے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور اللہ سے التجا کی۔

”میرے پیارے اللہ! مجھے معاف کر دیجئے۔ میں نے یہ سوچنے کی ہمت کی کہ میں مچھلی کو بچا سکتی ہوں۔ مچھلی جس کا قد ایک انچ سے زیادہ

نہیں، میں اس کی دیکھ بھال سے قاصر ہوں۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے اس کی حفاظت کے لئے تدبیر اختیار کرنے کا خیال دل میں ڈالا اور میں اس کو گھر کے اندر لے آئی۔ سمجھ رہی تھی کہ یہ میں ہوں جو اس کو بچانے کی تگ و دو میں ہوں جب کہ یہ آپ ہیں جو مسلسل میرے دل کو انسپائر کر رہے تھے کہ مچھلی کی حفاظت کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ آج میں سکون سے سوؤں گی کیوں کہ مجھے معلوم ہے آپ اس کے کفیل ہیں، اس سے محبت کرتے ہیں اور آپ ہی اس کی حفاظت کریں گے۔"

رات سکون سے گزری۔ صبح جاگتے ہی میا مچھلی کو دیکھنے گئی تو دل مطمئن تھا کہ سب کچھ ویسا ہو گا جیسا اللہ چاہتا ہے — دیکھا کہ میا جاگی ہوئی تھی اور سرشاری سے تیر رہی تھی۔ کبھی ایکوریم میں پتھروں کے پاس رکتی اور کبھی کھانے کے پاس رک جاتی۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

بیٹی کی آواز آئی — جب آدمی بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو اس توازن کو بحال کر سکے۔ ہے نا اماں —؟

ماں نے کہا، بے شک!

اسے محترم عظیمی صاحب کی تصنیف "احسان و تصوف" میں سے ایک تحریر یاد آگئی۔ یہ کتاب

نسخہ

صاحبِ علم سے نوجوان نے پوچھا، جو لوگ مجھ سے دور رہتے ہیں انہیں کیسے قریب کروں۔

انہوں نے فرمایا، جو لوگ تم سے قریب ہیں، انہیں خوش رکھو، جو دور ہیں وہ خود تمہارے قریب آجائیں گے۔

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں ایم اے اسلامیات کے نصاب میں شامل ہے۔

"سب تعریفیں کائنات کی مالک ایک ہستی کے لئے مخصوص ہیں۔ اس ہستی کا نام اللہ ہے۔ اللہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور بحیثیت رب کے مخلوقات کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ کائنات کا ہر ذرّہ تعمیلِ حکم کا پابند ہے۔ اللہ اسمِ ذات ہے۔ اسمِ ذات مالکانہ حقوق رکھنے والی ہستی کا نام ہے۔ یعنی اللہ مالک ہے اور ساتھ ساتھ قادرِ مطلق بھی ہے۔ اللہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، جس طرح چاہے تخلیق کے نظام میں تبدیلی کر سکتا ہے اور جس طرح چاہے کائناتی نظام کو چلانے میں ایک دوسرے کی ڈیوٹی لگا سکتا ہے۔ مخلوق کا کوئی فرد اس کے نظام میں دخل نہیں دے سکتا۔"

تجمل
Tajammal

IATA
ACCREDITED AGENT
IATA Code: 27342433

تجمل ٹریولز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

تجمل للسفریات (الخاصہ) المحمدودہ

ویزہ + ایئرلائن ٹکٹ

ہوٹل + زیارات ٹرانسپورٹ

بجٹ پیکج
اکانومی پیکج

5 ہوٹل کی بکنگ

ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز

شبعۃ تی ایچ اے (THA) لتطور الامور تتعلق بالعمال/الموعطفین الاجانب

THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
Licence No. 4189/LHR

- Labour Visa
- Skilled Visa
- Un Skilled Visa

thaoep1@gmail.com

متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، قطر
ملائشیا، میں ملازمت کے شاندار مواقع

رانا تجمل حسین
CEO

+92 300 6654 211
+92 302 1165 300
+92 321 6680 266
+92 41 2641 904

Office No. 54, Gate No. 5, Iqbal Stadium. Faisalabad. PK

قلندر شعور اکیڈمی

فیصل آباد

جس طرح ظاہری علوم سیکھنے کے لئے قاعدہ پڑھنا ضروری ہے
اسی طرح روحانی علوم کا بھی قاعدہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ
ظاہری علوم میں علم کے بعد عمل ہے،
باطنی علوم میں عمل کے بعد مشاہداتی علم منتقل ہوتا ہے۔

مراقبہ ہال فیصل آباد: الٰہی ٹاؤن، گوکھووال ملت روڈ، فیصل آباد، پاکستان۔

041-8766190   0321-6696746

نیّر اعظم

صحرائی فرتج

اسٹوریج کا ایک نظام فضا میں تیرنے والے بادل ہیں۔ ان کو ہاتھ لگایا جائے تو ہاتھ اس میں سے گزر جاتا ہے۔ اسی بادل میں پانی ذخیرہ ہے۔ وہ کہاں اور کس تخلیقی فارمولے کے تحت محفوظ ہے؟

اطلاع گردش کرتی رہتی ہے جب تک اس کی تکمیل نہ ہو جائے۔ "عمل کرنے" سے اطلاع کا دائرہ مکمل ہوتا ہے۔ مثلاً پانی پینے کی اطلاع آئی، جب تک پانی نہیں پیا، تکرار ہوتی رہی۔ پانی پینے سے تسکین ہوئی، ذہن عارضی طور پر پیاس سے ہٹا اور فرد نے سمجھا کہ پیاس کی تکمیل ہو گئی۔ ایک دو گھنٹے بعد دوبارہ پیاس لگی۔ جب تکمیل ہو گئی تھی تو دوبارہ پیاس کیوں لگی ــــ؟

محض پانی پی لینا تکمیل نہیں۔ جب تک آدمی پانی سے واقف نہیں ہوتا، پیاس لگتی رہے گی۔

پانی کے علاوہ کئی مشروبات ہیں جن سے پیاس بجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ پانی سے ہی بنتے ہیں۔ ایجادات کے ساتھ ساتھ پانی پینے کے لئے ذہن کی اسکرین پر نظر آنے والی تصاویر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ ذہن میں چیزیں ریکارڈ ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس نے لیموں پانی کے بارے میں نہیں سنا، اس کے ذہن میں لیموں پانی کی تصویر نہیں بنتی۔ جب ایک مرتبہ وہ ذکر سن لیتا ہے تو وہ ریکارڈ ہو جاتا ہے اور پیاس کی صورت میں کسی وقت بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔

ایک چیز سے کئی چیزیں بنانے کا طریقہ کیسے سامنے آیا؟ اللہ کی نشانیوں پر غور کر کے۔

شربت بنانے کے لئے ٹھنڈی تاثیر کی جڑی بوٹیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ جڑی بوٹیوں پر تحقیق سے ان میں برودت (ٹھنڈک) کی تاثیر سامنے آئی اور ان کا استعمال ہونے لگا۔ اس کے بعد جڑی بوٹیوں میں موجود کیمیائی عناصر کے اثرات معلوم کر کے ان کو کئی طرح سے مشروبات میں استعمال کیا جانے لگا۔ یعنی آدمی نے کوشش کی کہ وہ پیاس بجھانے کے لئے کن ذرائع سے استفادہ

کر سکتا ہے۔ قدرت وسائل وافر مقدار میں اور مفت فراہم کرتی ہے۔ مثلاً پانی، اناج، درخت، ہوا۔ ایک ذریعہ آدمی کا بنایا ہوا نہیں۔ وہ صرف اجزا کے تعامل سے اختراعات کرتا ہے اور یہ بھی اطلاع کے تحت ہوتا ہے۔ اطلاع پر ہوبہو عمل سے اچھی چیز بنتی ہے جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے ورنہ نقصان ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت عزیرؑ کے واقعے میں ان کے کھانے کا ذکر ہے جو 100 سال تک خراب نہیں ہوا۔ اس میں اشارہ ہے کہ کھانے پینے کی اشیا کو زیادہ عرصہ خراب ہونے سے محفوظ رکھنے کے طریقے پر تفکر کیا جائے۔ ان عوامل کا پتہ لگایا جائے جن کی وجہ سے کھانا خراب ہوتا ہے اور کون سے عوامل کھانے کو خراب ہونے سے بچاتے ہیں۔ محترم عظیمی صاحب نے پیغمبر عزیرؑ کے واقعہ میں کھانا سو سال تک خراب نہ ہونے کی حکمت بیان فرمائی ہے۔

"تقریباً ہر گھر میں ڈیپ فریزر اور فریج موجود ہے۔ ہمیں اس بات کا مسلسل مشاہدہ ہے کہ چیزیں جب ٹھنڈی ہو کر منجمد ہو جاتی ہیں تو سڑتی گلتی نہیں ہیں، مخصوص گیسیں انہیں محفوظ رکھتی ہیں۔ جس طرح ہر تخلیق کا ہر فرد روشنی کے مفرد اور مرکب جال کے غلاف میں بند ہے، اسی طرح گیسوں پر بھی روشنی کے جال کا غلاف ہے اور ہر گیس کی ماہیت اور مقدار کا تعین اسی روشنی کے غلاف سے ہوتا ہے۔ فرد کی حیات و ممات معین مقداروں پر قائم ہے۔ اس سارے نظام پر ایک اللہ حاکم ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کی حاکمیت کے تابع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے برگزیدہ بندے حضرت عزیر علیہ السلام پر حیات و ممات کے فلسفے کی حقیقت ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت نے ان گیسوں کو یکجا کر دیا جن کے ذریعے اشیا ٹھنڈی ہو کر خراب نہیں ہوتیں۔"

(کتاب: خاتم النبیین محمد رسول اللہؐ، جلد سوم)

گوشت زیادہ عرصہ استعمال کرنا ہو تو خشک کر کے رکھتے ہیں۔ سبزیوں کو سڑنے سے بچانے کے لئے سبزی فروش سارا دن ان پر پانی کا چھڑکاؤ کرتا ہے۔ کچے گھروں میں لوگ زمین پر پانی چھڑک کر گھر ٹھنڈا رکھتے ہیں۔

اب ان پھلوں پر غور کیجئے جن کا گودا مائع حالت میں ہوتا ہے۔ ان کی ماہیت کیسی ہے—؟

ناریل — سخت سطح، اس کے اندر نرم سطح پھر

مزید نرم سطح (گودا) جس کے اندر پانی ہے۔ کینو، موسمبی اور نارنجی میں موٹا سخت چھلکا۔ حفاظتی تدبیر کے تحت اس کے اندر پھانکیں اور پھانکوں کے اندر چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں مائع (شربت) بھرا ہوتا ہے۔ شربت کو گلاس یعنی کھلی فضا میں رکھا جائے تو اس میں سڑاند ظاہر ہونے کے لئے چند گھنٹے کافی ہیں۔ احسن الخالقین اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا ہے کہ گودا ہوا بند (air tight) تھیلیوں میں رہے تاکہ مہینوں خراب نہ ہو۔ پھر ہم کینو، مالٹا، موسمبی، نارنجی، انار اور ناریل کو فریج کیوں نہیں کہہ سکتے جب فریج اسی طرز پر بنائے گئے ہیں—؟

دسمبر 2021ء کے ''آج کی بات'' کی ایک مثال میں انار کو ڈیپ فریزر کہا گیا ہے۔

''ماں نے کہا یہ انار ہے، بچے نے سوچے سمجھے بغیر تسلیم کرلیا کہ یہ انار ہے۔ ماں کو ظاہری خواص کے علاوہ نہیں معلوم کہ انار کیا ہے اس لئے بچہ نہیں جانتا کہ انار کیا ہے، کیسے بنتا ہے، کہاں سے آتا ہے اور منہ میں رکھتے ہی انار کا دانہ پانی میں تحلیل ہو کر کہاں غائب ہو جاتا ہے، انار کے دانوں کے درمیان دیواریں کس نے بنائیں، ان دانوں میں پانی کہاں سے آیا، جھلّی ڈال کر پانی کو کیسے اور کس نے جمایا۔ جب انار کا غلاف کھلا تو اندر میں دانوں کا درجۂ حرارت تبدیل ہو گیا۔ انار قدرت کا بنایا ہوا deep freezer ہے۔''

گرمی میں ٹھنڈ اور سردی میں گرمی کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے۔ قدیم زمانے میں لوگوں نے مٹی پر پانی گرنے کے بعد ٹھنڈک محسوس کی تو مٹکے کی شکل میں بجلی کے بغیر چلنے والا فریج ایجاد کیا جس میں پانی ٹھنڈا رہتا ہے۔ ایسی کاوشیں ہر دور میں ہوتی رہی ہیں۔

1995ء میں کمہاروں کے خاندان سے تعلق رکھنے والے نائیجیریا کے ایک اسکول ٹیچر محمد باہ ابا نے زیر پاٹ (Zeer pot) کے نام سے ایسی چیز دنیا کو پیش کی جسے بغیر بجلی کا فریج کہا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس صحرائی فریج میں تقریباً 25 کلو کھانا تین سے چار ہفتے تک تازہ رہتا ہے۔

<u>ترکیب:</u> دو چوڑے منہ کے مٹکے یا گملے لیجئے۔ ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو۔ چھوٹا گملا اتنا بڑا ہو کہ بڑے گملے میں رکھنے کے بعد دونوں کے درمیان آدھا ایک انچ ریت بھری جا سکے۔ کوئی سوراخ ہو تو بند کر دیجئے تاکہ ریت یا پانی باہر نہ نکلے۔ اب بڑے گملے میں لگ بھگ آدھا یا ایک انچ ریت ڈالئے۔ پھر چھوٹا گملا اس کے اندر رکھئے۔

اس میں احتیاط ضروری ہے ورنہ انگلیاں پھنس سکتی ہیں جو کافی تکلیف کا باعث بنتی ہیں ۔ گملوں کے درمیان ریت بھریئے، اندر والے گملے میں ریت نہ جائے ۔ بہتر ہے کہ اندر والے گملے کو ڈھک دیا جائے تا کہ یہ مسئلہ ہی نہ رہے۔ ریت کی مقدار چاروں طرف یکساں ہو اور وہ نیچے تک پہنچے۔ ریت کو پانی سے نم کیجئے۔ آخر میں چھوٹے گملے کو مٹی کے ڈھکن سے بند کر دیجئے۔ لیجئے بجلی کے بغیر فریج تیار ہے۔ آپ اس میں کھانے پینے کی چیزیں رکھ سکتے ہیں۔

"گملا فریج" میں پھل، سبزی، دہی، دودھ ، شربت وغیرہ کئی روز تازہ رہتے ہیں ۔ اگر زیر پاٹ کسی فریم کے اوپر رکھا جائے تو زمین سے اس کا رابطہ کم ہونے کی صورت میں زیر زمین گرمی کے اثر سے یہ بہت حد تک محفوظ رہتا ہے۔

زِیر پاٹ کس طرح کام کرتا ہے؟

دو گملے ہیں ــــ چھوٹا اندر اور بڑا باہر ہے۔ دونوں کے درمیان ریت ہے جسے مناسب مقدار میں پانی ڈال کر نم کیا گیا ہے۔ اس نمی سے جہاں چھوٹے گملے کے اندر رکھی ہوئی شے ٹھنڈی رہتی ہے وہاں گیلی ریت کے اثرات بڑے گملے کی سطح پر نمی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسٹیل کے گلاس کی طرح جس میں ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا ہے تو سطح پر نمی ظاہر ہوتی ہے۔

ہوا بڑے گملے سے ٹکراتی ہے تو باہر کی نمی کو ساتھ لے جاتی ہے۔ نتیجے میں ٹھنڈک اندر کی طرف سفر کرتی ہے۔ یوں چھوٹے گملے میں رکھی ہوئی شے ٹھنڈی رہتی ہے۔ اگر زیر پاٹ میں رکھی ہوئی ریت خشک ہو جائے تو چھوٹے گملے کے اندر گرمی بڑھ جائے گی۔ اسی لئے دونوں گملوں کے درمیان ریت کو نم رکھا جاتا ہے۔

ہر شے خالقِ کائنات کی رحمت کا مظاہرہ ہے۔ غور کیا جائے تو چھوٹی چیز بڑی سے بڑی ایجاد کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ دنیا میں چھوٹے بڑے کارخانے اور کاروبار چیزوں کو محفوظ کرنے کی صلاحیت کے قدرتی قانون سے استفادہ کر رہے ہیں اور منافع کما رہے ہیں۔

اسٹوریج کا ایک نظام فضا میں تیرنے والے بادل ہیں۔ ان کو ہاتھ لگایا جائے تو ہاتھ اس میں سے گزر جاتا ہے۔ غور طلب ہے کہ اسی بادل میں پانی ذخیرہ ہے۔ وہ کہاں اور کس تخلیقی فارمولے کے تحت محفوظ ہے ــــ؟

اقتباسات

"ماہنامہ قلندر شعور" کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوشش قابلِ قدر ہے۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم و بیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

محتاجوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیجئے۔ ان کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آیئے۔ اگر آپ کے پاس کچھ دینے کو نہ ہو تو نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے معذرت کیجئے تاکہ وہ آپ سے کچھ نہ پانے کے باوجود آپ کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو۔ فلاح اور کامرانی کے وہی لوگ مستحق ہوتے ہیں جو بخل اور تنگ دلی جیسے جذبات سے اپنے دل کو پاک رکھتے ہیں۔ ایمان دار شخص جو اللہ کی راہ میں دینے کی تڑپ رکھتا ہے، وہ بھلا کب گوارا کر سکتا ہے کہ اس کی کمائی میں حرام مال شامل ہو۔ اللہ کی راہ میں اپنے عطیات انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح خرچ کیجئے۔ اس عملِ خیر سے ملک و قوم میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

(مرسلہ: پ۔م۔ چنیوٹ، کتاب: تجلیات)

درختوں کے ساتھ اگر پتّے نہ ہوں تو انہیں درخت نہیں کہا جاتا۔ درختوں کی زیبائش ہی پتّوں کے ساتھ ہے لیکن یہ پتّے صرف زیبائش کا ہی کام نہیں کرتے۔ ان کے اوپر درخت کی زندگی کا انحصار بھی ہے۔ ہر پتّے میں رگیں ہوتی ہیں۔ مسامات ہوتے ہیں۔ یہ مسامات کاربن کو پتّوں کی رگوں میں دوڑاتے ہیں اور یہی مسامات آکسیجن کو باہر نکالتے ہیں۔ پتّوں کی بھی پوری ایک دنیا ہے۔ پتّے درخت کو زندہ بھی رکھتے ہیں اور یہی پتّے اگر بیمار ہو جائیں تو درخت بھی بیمار ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی پتّے جب زمین پر گرتے ہیں تو زمین کے اوپر نباتات کے لئے کھاد کا کام دیتے ہیں — انسان کے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں ہے کہ وہ اتنی بڑی زمین پر کھاد ڈال سکے۔ (مرسلہ: محمد صلاح الدین۔ راولپنڈی، کتاب: قوسِ قزح)

معرفتِ الٰہی چاہے ایک ولی کو ہو یا عام آدمی کو حاصل ہو، اس کی ایک ہی نوعیت ہے البتہ اس کے درجات میں فرق اور امتیاز ہوتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے ولی کا علم عام آدمی سے زیادہ گہرا اور عمیق ہوتا ہے لیکن ذاتِ حق کا مکمل علم کسی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے۔ انسانی عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی کیوں کہ انسان مخلوق ہے اور اپنی فطرت کے اعتبار سے محدود ہے۔

(مرسلہ: یسریٰ خالد۔ کتاب: معالی الہمم)

ادب کو مضبوطی سے تھامے رہو اور اللہ کا ادب یہ ہے کہ اس سے کسی وقت غافل نہ رہو کیوں کہ ادب ہی مقصود کا دروازہ ہے۔ جس شخص کو یہ خبر نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اس کے نفس پر کیا حقوق ہیں اور اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کرے تو ایسا شخص ادب سے کوسوں دور ہے۔ اپنے سے بڑے کا ادب یہ ہے کہ اس کی خدمت کرو۔ اور برابر کا ادب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایثار اور ہمدردی کرو۔ اور اپنے سے چھوٹے کا ادب یہ ہے کہ اس پر شفقت کرو، اس کی تربیت اور خیر خواہی کرو۔ عارف باللہ کی قربت میں موافقت سے رہو، اس کے خلاف کوئی بات نہ کرو، اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

(مرسلہ: اویس علی، کتاب: بنیان المشید)

آدمی آکسیجن کی بنیاد پر زندہ نہیں ہے۔ اگر آدمی پانی کے اوپر زندہ ہے، جس وقت آدمی مر جاتا ہے، ایسا نہیں ہوتا زمین پر سے پانی ختم ہو جائے، پانی موجود رہتا ہے۔ اگر انسان گیسز کے اوپر زندہ ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ جب آدمی مر جائے تو فضا میں سے ساری گیسیں بھی ختم ہو جائیں، سارے رنگ ختم ہو جائیں۔ محقق کہتے ہیں کہ انسان لہروں کے اوپر زندہ ہے۔ اگر انسان لہروں کے اوپر زندہ ہے تو جب آدمی مر جاتا ہے تو سورج کی شعاعیں لہروں کی شکل میں موجود ہیں۔ چاند کی کرنیں بھی لہروں کی شکل میں موجود ہیں۔ ہوا بھی چل رہی ہے، وہ بھی لہروں کی شکل میں موجود ہے۔ فضا میں خنکی و گرمی اور گرد و غبار ہر چیز موجود ہے لیکن مرنے والا آدمی مر جاتا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ ہمارے جینئس لوگ، ہمارے دانشور موت و حیات کے فلسفے سے واقف نہیں ہیں۔ وہ ثابت نہیں کر سکے کہ انسان کیوں مر جاتا ہے۔ (مرسلہ: رومیصہ شہریار۔ کتاب: خطباتِ لاہور)

یوسف ناظم

مرغ و ماہی

مرغ کے ساتھ ایک دقّت یہ بھی ہے کہ ڈش سے مرغ کی ٹانگ نکل جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محفل کی شمع بجھ گئی ہے۔ لیکن مچھلی کسی قسم کا غم انگیز ماحول نہیں پیدا کرتی — اس کا ہر حصہ بیت الغزل ہوتا ہے۔ سر تو مطلع ہوتا ہی ہے۔

آدمی کا پیٹ، آدمی کے جسم کا سب سے طاقتور حصہ ہے۔ آدمی کا دل و دماغ، اس کی گویائی اور سماعت سب پیٹ کی رعیت ہیں۔ دنیا کے آدھے سے زیادہ جرائم کی بنیاد یہی پیٹ ہے۔ فلسفہ اور منطق جیسے علوم کے علاوہ ادب اور شاعری بھی دردِ شکم ہی کی پیداوار ہے۔ آدمی کے پیٹ کے دیگر احوال یہ ہیں کہ یہ ہر قسم کے جانوروں، پرندوں، پھلوں اور ترکاریوں کا گودام ہے۔ ان اشیائے خوردنی میں یوں تو سبھی چیزیں آدمی کو بھاتی ہیں لیکن ان میں مرغ و ماہی اس کے بڑے شوق کی چیزیں ہیں اور آدمی کی عمر کچھ ہی کیوں نہ ہو— ان دو چیزوں کے دیدار ہی پر نہیں— ان کے ذکر پر بھی اس کی رال ضرور ٹپکتی ہے۔

مرغ و ماہی میں مچھلی کو بطور غذا فوقیت حاصل ہے کیوں کہ یہ ہمیشہ نہاتی رہتی ہیں جب کہ مرغ اتنا صفائی پسند نہیں ہوتا۔ مچھلیاں عادات و اطوار کے اعتبار سے مضبوط کردار کی حامل مانی گئی ہیں۔ ان کے متعلق ایسی ویسی باتیں کبھی سننے میں نہیں آئیں۔ اس کے برخلاف مرغ اور مرغیوں کی بے تکلفی عام بات ہے۔ سچ پوچھا جائے تو اب صرف مچھلیاں ہی قدیم مشرقی تہذیب کی نام لیوا رہ گئی ہیں۔ ان کی اسی خوبی اور اس خوبی کے علاوہ دیگر اوصافِ حمیدہ کی بنا پر مچھلیوں کو جل ترکاری مانا گیا ہے، جل پری تو وہ ہوتی ہی ہیں۔

ترکاری جیسی معصوم اور بے ضرر صنف میں شامل کئے جانے کی وجہ سے ترکاری نوش لوگوں کے حلقے میں بھی مچھلی بے حد مقبول ہے بلکہ ساحلی علاقے کے لوگ اسی ترکاری کے شیدائی ہیں۔ وہ سیلابوں میں بہہ جانا پسند کرتے ہیں لیکن مچھلیوں سے دور نہیں رہنا چاہتے۔

مچھلی اپنی شہرت کا خود انتظام کرلیتی ہے اور پکنے پر کسی کی مدد لئے بغیر دور دور تک اپنی خوشبو پھیلاتی ہے۔ اس کی خوشبو سونگھ کر پڑوس میں لوگ کفِ افسوس ملتے ہیں کہ ہم نے کیوں اتنے اچھے پڑوسیوں سے تعلقات بگاڑ لئے۔ ہمارے تعلقات خوشگوار ہوتے تو ہم صرف اس خوشبو کے نہیں، مصدرِ خوشبو کے بھی حق دار ہوتے۔

مرغ پر مچھلی کی فوقیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مچھلی سے نمٹنے کے لئے نقلی دانت نہیں بنوانے پڑتے۔ اس لحاظ سے مرغ کافی مہنگا پڑتا ہے۔ اہلِ زبان مچھلی ہی کو پسند کرتے ہیں۔

مرغ کے ساتھ ایک دقّت یہ بھی ہے کہ ڈش سے مرغ کی ٹانگ نکل جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محفل کی شمع بجھ گئی۔ لیکن مچھلی کسی قسم کا غم انگیز ماحول نہیں پیدا کرتی۔ اس کا ہر حصہ بیت الغزل ہوتا ہے۔ سر تو مطلع ہوتا ہی ہے۔

مچھلی میں کانٹے ضرور ہوتے ہیں لیکن کانٹے تو گلاب کی شاخ میں بھی ہوتے ہیں اور یوں بھی مچھلی، بوقتِ طعام آپ کی پوری توجہ چاہتی ہے۔ اسے کھاتے وقت اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ویسے اعلیٰ ذات کی مچھلیاں بھی ہوتی ہیں جن میں کانٹے نہیں ہوتے۔ یہ مچھلیاں آدمیوں سے بہتر ہوتی ہیں، ضرر نہیں پہنچاتیں۔ محبوباؤں اور شاعروں کو صرف ایسی ہی مچھلی کھانی چاہئے۔ شاعر کو اس لئے کہ اگر مچھلی کا کوئی نامعقول کانٹا ان کے حلق میں پھنس گیا تو وہ سمن کلیاں میں اپنا کلام کیسے بنا سکیں گے۔

مچھلیوں کے اوصاف کی فہرست میں ایثار اور قربانی کے جذبات بھی شامل ہیں۔ مچھلیاں غیر معمولی حد تک جاں نثار ہوتی ہیں اس لئے ہر چھوٹی مچھلی، بڑی مچھلی کی غذا کے کام آتی ہے۔ (مرغوں میں یہ وصف سرے سے معدوم ہوتا ہے، وہ پیدائشی خود غرض ہوتے ہیں۔)

مچھلیاں ہمیشہ پانی پیتی ہیں لیکن مرغ عام طور پر صرف ذبح ہوتے وقت پانی پیتے ہیں۔ زندگی میں بھی پیتے ہوں گے لیکن ان کی زیادہ توجہ کھانے کی طرف ہوتی ہے۔ مچھلیاں پانی کے ذائقے کی پروا نہیں کرتیں۔ وہ پانی سے افلاطونی عشق کرتی ہیں۔ پانی میٹھا ہو یا کھارا، وہ کسی بھی پانی کے ساتھ گزارا کرلیتی ہیں۔ یہ شرافت کی نشانی ہے اور مرغیاں ہیں کہ نمکین پانی کا ایک قطرہ نہیں سہہ سکتیں۔ شاید وہ جانتی ہیں کہ نمکین پانی سے صرف غرارہ کیا جاتا ہے۔

مچھلی بہت خاموش اور پُرسکون شخص ہوتی ہے۔ جانتی ہے اس نقار خانے میں کس کی آواز سنی جاتی ہے جو اس کی سنی جائے گی۔ مرغیاں اس معاملے میں داد و بے داد سے بے نیاز ہوتی ہیں۔ بولے چلی جائیں گی۔ جس گھر میں مرغیاں موجود ہوں، اس گھر میں شور کے لئے بچوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مرغیوں کے شور سے بچنے کے لئے لوگ فلمی گانوں کے ریکارڈ اور لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کرتے ہیں۔ مرغیاں دوپہر کے وقت خاص طور پر بہت بولتی ہیں اور اونچا بولتی ہیں۔ کسی کو قیلولہ نہیں کرنے دیتیں۔

مچھلی کی برتری اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ مچھلی کا شکار ایک معزز شغل ہے جب کہ مرغ کو پکڑنا شکار نہیں سمجھا جاتا۔ اس کی حیثیت دال برابر ہوتی ہے۔ شرفا مچھلی کے شکار میں اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ کوئی مچھلی جلد نہ پھنسے۔ ان میں سے زیادہ شریف لوگ شام کے وقت خالی ہاتھ لوٹنا پسند کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے دو باسی مچھلیاں بازار سے خرید لیتے ہیں۔ یہ گھر میں داخل ہونے کا اجازت نامہ ہوتا ہے۔

ظاہری اعتبار سے مرغیوں کے مقابلے میں مچھلیاں زیادہ قابلِ دید ہوتی ہیں۔ ان کی طرف نظر بھر کر دیکھا جاسکتا ہے جب کہ مرغیاں دیکھنے میں غذا ہی دکھائی دیتی ہیں۔

مرغیاں اور مچھلیاں دونوں پالی جاسکتی ہیں لیکن دل صرف مچھلیوں سے بہلتا ہے کیوں کہ پالی جانے والی مچھلیاں تو اور بھی مہ جبین ہوتی ہیں۔ یہ کہنا غلط ہو گا کہ خوب صورتی ان پر ختم ہو جاتی ہے لیکن قدرت نے ان کے لئے نہایت بیش قیمت رنگ استعمال کئے ہیں اور ان کے کئی دیدہ زیب ڈیزائن بنائے ہیں۔

مچھلیوں کے برعکس ساری کی ساری مرغیاں ایک سی دکھائی دیتی ہیں۔ ان میں سے کچھ صرف بھرتی کی ہوتی ہیں۔ ان میں یہ خوبی ہے کہ رہائش کے معاملے میں قناعت پسند ہوتی ہیں۔ انھیں شیشے کا گھر نہیں چاہئے۔ یہ بے چاری، جھانپ یا زیادہ سے زیادہ دیو دار کے بوسیدہ تختوں سے بنے ہوئے ڈربوں پر اکتفا کرلیتی ہیں۔ رہائش کے علاوہ غذا کے سلسلے میں بھی مچھلیوں کے مطالبات بہت ہیں جو سب کے سب پورے کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ ڈوب مرتی ہیں۔

لذتِ کام و دہن کے علاوہ، مرغیاں اہلِ دانش کے غور و فکر کا مرکز رہی ہیں اور مفکرین ہمیشہ اس فکر میں مبتلا رہے کہ مرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا۔ اس قسم کا ناجائز سوال مچھلیوں کے بارے میں کبھی نہیں پوچھا گیا۔

مرغوں اور مچھلیوں کی جیو میٹری لکھی جائے تو مچھلیاں افقی ہوتی ہیں جب کہ مرغیاں عمودی۔ مچھلیاں کھڑی نہیں ہوسکتیں اور مرغیاں لیٹ نہیں سکتیں لیکن اس فرق سے ان کی زندگی کے معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مرغیوں اور مچھلیوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مرغیاں صدقے کے کام آتی ہیں۔ مچھلیوں کو خیر خیرات کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔

یہ روایت کے خلاف بات ہے۔

اکثر گھروں میں حال حال تک یہ طریقہ رائج تھا کہ بچہ شام کے وقت جب مدرسے سے واپس آتا تو بچے کی والدہ دروازے پر اس کے استقبال کے لئے کھڑی ہوئی ملتیں اور ان کے ہاتھوں میں ایک مرغی ہوتی ۔ یہ مرغی بطور صدقہ اتاری جاتی۔ والدہ بچے سے کبھی یہ نہ پوچھتیں کہ بیٹا آج تم نے کچھ پڑھا بھی۔ بس مرغی جان سے جاتی۔ جن والداؤں کا بس مرغی پر نہ چلتا، وہ ایک انڈا صدقے میں دے دیتیں کیوں کہ انڈے میں خوبی مرغی ہی کی ہوتی ہے۔ مرغیوں کے بارے میں اسی لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ تنہا جانور ہے جسے پیدا ہونے سے پہلے کھایا جاسکتا ہے۔

مرغیاں بظاہر کھلنڈری ہوتی ہیں لیکن ان میں ذمہ داری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے جب کسی مرغی کو افزائشِ نسل کے کام پر مامور کیا جاتا ہے، وہ دنیاوی مشاغل سے کنارہ کش ہوکر یہ فرض انجام دیتی ہے اور کچھ ہی دنوں میں سارے گھر میں مرغی کے ڈیڑھ دو درجن بچے ہنستے کھیلتے نظر آتے ہیں۔

مخلوقِ خداوندی میں سپیدۂ سحر کا کوئی سچا عاشق ہے تو وہ یہی مرغ ہے۔ مرغ کی بانگ ہی اس کی نجات کا باعث ہوگی۔ مرغ ایمان کو تقویت پہنچاتا ہے اسی لئے اہلِ دستر خوان صرف اسے جانتے اور مانتے ہیں جس پر مرغ موجود ہو اور اگر وہ مسلّم ہو تو کیا کہنے۔

مرغ معلموں میں بھی مقبول ہے۔ جب انہیں مرغ کی یاد ستاتی ہے، کسی طالب علم کو مرغا بنا دیتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ ذبح نہیں کرتے۔

آسیہ روبی

اسٹور روم

فرد انفرادی نظر آتا ہے مگر وہ اجتماعیت کی تصویر ہے۔ اس کے اندر ماں باپ اور ماحول کا شعور موجود ہے۔ ایک بچے کی غلط تربیت سے آنے والی نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

قدسیہ بچوں کو سلا کر اماں کو تلاش کرتی ہوئی آنگن میں آئی تو وہ تخت پر گم صم بیٹھی تھیں۔ اتنی گرمی میں آنگن میں لگے پنکھے کی ہوا لُو جیسی تھی اور اماں نہ جانے کب سے یہاں پر تھیں۔

اماں! کیا آپ کو گرمی نہیں لگ رہی؟

وہ گویا استغراق میں تھیں۔ کندھا ہلایا تو چونک گئیں۔ اماں! کیا ہوا ہے آپ کو اور یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔ گرمی دیکھیں۔ بیمار ہونا چاہتی ہیں کیا؟

شائستہ بانو بیٹی کی ساس کے انتقال پر کچھ دن اس کے پاس رہنے آئی تھیں، بڑبڑاتے ہوئے بولیں، میرے اندر پچھتاوے کی آگ دہک رہی ہے۔ باہر چاہے جتنی لُو چل رہی ہو، اندر کی آگ سے زیادہ شدید نہیں ہو سکتی۔

قدسیہ ماں کو اندر لے جاتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ دو منٹ آنگن میں کھڑے ہو کر میں پسینے میں شرابور ہو گئی اور اماں نہ جانے کب سے بیٹھی تھیں۔ کہاں ان سے معمولی گرمی برداشت نہیں ہوتی تھی، ہر وقت اے سی چلتا تھا اور اب یہ حال ہو گیا ہے۔ اماں کا بہت طنطنہ ہوتا تھا لیکن جب سے ابا کا انتقال ہوا ہے، گم صم رہنے لگی ہیں۔

شائستہ بانو سالوں پہلے ندیم صاحب سے بیاہ کر آئیں تو بھری پری سسرال تھی۔ تین نندیں، پانچ دیور اور ساس سسر۔ گو کہ وہ خود بھی بڑے گھر سے آئی تھیں لیکن ان کا مزاج مختلف تھا۔ مل کر رہنا ان کی سرشت میں نہیں تھا۔ ابتدا سے شوہر کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔ کبھی کسی کی بات بری لگ جاتی اور کبھی کسی کی۔ بڑے کنبے کی ذمہ داری سے جان چھڑانے کے لئے اکثر بیماری کا ڈراما کر لیتیں۔ شکایت تھی کہ شوہر جو کماتے ہیں، ماں باپ کو دے دیتے ہیں جس سے ان کے بچوں کی حق تلفی ہو رہی ہے۔

ماں باپ نے بیٹے کو الگ ہونے کا مشورہ دیا۔ ندیم صاحب سیدھے سادھے مزاج کے تھے۔ گھر میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتے تھے اس لئے والدین کی بات مانتے ہوئے الگ ہو گئے مگر اس بات کا ان کو شدید رنج تھا۔

زمانے کا چلن ہے کہ پرندے اپنا گھونسلا الگ بناتے ہیں۔ ندیم صاحب نے گھر کے قریب چھوٹا گھر کرائے پر لیا۔ روز کام پر جاتے ہوئے اور واپسی پر سلام کرنے جاتے۔ شائستہ بانو کو یہ گوارا نہیں تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ شوہر کسی سے سروکار نہ رکھیں۔ اپنا مطلب ایسے نکالتی تھیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ شائستہ بانو درجنوں کام نکال کر انہیں مصروف کر لیتی تھیں تاکہ وہ گھر والوں سے نہ ملیں۔ آخر کار وہ شوہر کو لے کر شہر منتقل ہو گئیں جہاں ان کا میکہ تھا۔

ندیم صاحب بیوی کے مزاج سے خائف رہتے تھے۔ گھر والوں سے ملنا کم کر دیا۔ ایک ایک کر کے بہن بھائیوں کی شادی ہوتی رہی۔ آخری بچے کی شادی کے بعد اماں بستر سے جا لگیں جیسے ان کی ذمہ داریاں پوری ہو گئی ہیں۔ شائستہ کے سوا سب بہوئیں خدمت میں حاضر رہیں۔

اماں کا بخار تیز ہو گیا تھا۔ وہ بڑے بیٹے ندیم کا نام پکارتی تھیں۔ ابا کا دل بھی کڑھتا تھا۔ بیماری کی اطلاع دے دی گئی تھی لیکن ندیم کو آنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ساس کی بیماری کا سن کر شائستہ نے خود بستر سنبھال لیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے کس کے سہارے چھوڑ کر آتے۔

جس دن اماں کا انتقال ہوا، ندیم کا دل بے چین رہا۔ بنا بتائے گھر سے نکلے اور سیدھے اماں کے پاس پہنچ گئے۔ ماں کو جیسے بیٹے کا ہی انتظار تھا۔ دیکھتے ہی سکون آ گیا— جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ ندیم صاحب غم کی شدت سے ابا کے گلے لگ کر کتنی دیر روتے رہے۔ کوتاہی پر شرمسار تھے لیکن رونے کے سوا کیا رہ گیا تھا۔

کچھ عرصے بعد ابا بیمار ہو گئے۔ ندیم صاحب ذاتی مکان بنا چکے تھے۔ ابا کی خدمت سے محروم نہیں رہنا چاہتے تھے۔ بہت اصرار سے ان کو گھر لائے لیکن وہ چند روز رک کر کچھ کہے بغیر منجھلے بیٹے سیف کے پاس گاؤں چلے گئے۔

جب ابا بستر مرگ پر تھے تو ندیم بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے ان کو اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا لیکن انہوں نے منع کر دیا۔ وہ سیف کے ساتھ خوش تھے۔ اس کی بیوی خیال رکھتی تھی۔

ندیم صاحب والد کی تیمارداری کے لئے گاؤں آ گئے۔ ابا نے بہت سمجھایا لیکن والدہ کی خدمت سے غفلت کا غم اب تک گہرا تھا۔ شوہر کی وجہ سے شائستہ بانو کو مجبوراً گاؤں میں رکنا پڑا۔

آخر ابا بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

وقت گزرتا رہا۔ شائستہ کی امی کا بھی انتقال ہو گیا۔ بھائی نے کچھ روز ابا کو رکھا لیکن بھابھی رکھنے پر تیار نہیں تھیں۔ دوسرے بچوں نے بھی عذر پیش کیا۔ شائستہ ابا سے ملنے گئیں تو ان کا حال دیکھ کر دل پسیج گیا۔ بھائی سے شکایت کی تو اس نے کہا تمہارا بھی فرض ہے کہ والد کی خدمت کرو۔ شائستہ کسی کی کیا خدمت کرتیں، انہوں نے تو خدمت لینا سیکھا تھا۔

ندیم صاحب سسر کو گھر لے آئے۔ وہ جانتے تھے کہ والدین کو اس عمر میں اولاد کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے ماں باپ کو ساتھ نہیں رکھ سکے، یہ بھی والد کی جگہ تھے۔ ہو سکتا ہے اس بہانے ان کی کوتاہیوں کی تلافی ہو جائے۔

دنیا مسافر خانہ ہے۔ جو آتا ہے، چلا جاتا ہے۔ چاہے ہزار سال جی لے، جانا اسی روز طے ہو جاتا ہے جس دن دنیا میں آیا تھا۔

وقت گزرا — ندیم کے والدین زندہ رہے نہ شائستہ بانو کے۔ اب وقت کی بساط پر ان دونوں کی باری تھی۔ کل جہاں اماں اور ابا کھڑے تھے، آج وہاں شائستہ بانو تھیں۔

قدسیہ کی آواز انہیں ماضی سے حال میں لے آئی۔ اماں! آپ کس سوچ میں کھو جاتی ہیں۔ کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔ بھابھی کے بارے میں سوچ رہی ہیں تو بے کار میں خود کو ہلکان کر رہی ہیں۔ میرے پاس رہ جائیں۔

وہ بیٹی سے کیا کہتیں کہ ان پر کیا بیت رہی ہے۔ ساری عمر راج کیا تھا۔ خود کو ملکہ سمجھ بیٹھی تھیں۔ چاہتی تھیں کہ ہر بندہ ان کی مرضی سے سانس لے۔ شوہر کو قابو میں رکھنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کئے تھے۔

ندیم میاں سے ان کے تین لڑکے شکیل، سلیم اور فہیم — دو لڑکیاں قدسیہ اور ماہ پارہ تھیں۔ چھوٹا بیٹا فہیم ان کے قابو میں نہیں آتا تھا۔

شکیل کی شادی کے بعد جب دلہن گھر میں آئی تو ساری ذمہ داری اس کے سر پر ڈال دی۔ بہو کو پوری طرح قابو کرنا چاہتی تھیں۔ معلوم تھا کہ بیویاں کیا کیا حربے استعمال کر سکتی ہیں۔ وہ اس

معاملے میں خاصی زیرک تھیں۔ شروع میں بہو کی جانب سے مزاحمت ہوئی لیکن وہ زیادہ دن ان کے آگے کھڑی نہیں ہو سکی۔ بے بس آدمی کے دل میں ظلم کرنے والے کے لئے کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ نفرت کا بیج انہوں نے بو دیا تھا۔

دوسرے بیٹے کی شادی کی۔ یہاں بھی بہو کو قابو کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہوشیاری سے شوہر کو قائل کر کے بیرون ملک منتقل ہو گئی۔ یہ ماضی میں بوئے گئے بیج کی پہلی فصل تھی۔ اب کٹائی کا وقت تھا۔ بیٹے کی جدائی کا گہرا دکھ ہوا۔

چھوٹے بیٹے فہیم نے پسند کی شادی کی۔ اپنی مرضی کے خلاف کام انہیں منظور نہیں تھا لہٰذا بہو کا جینا حرام کر دیا۔ ندیم صاحب نے بیٹے کو الگ گھر لینے کا مشورہ دیا۔ شائستہ کو معلوم ہوا تو گھر سر پر اٹھالیا۔

میں باہر کی لڑکی کو اپنا بیٹا لے جانے نہیں دوں گی۔ یہ کل کی لڑکی میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لینا چاہتی ہے۔ سالوں پال پوس کر بچوں کو بڑا کیا ہے۔ اب بیویاں چاہتی ہیں کہ ماں کا کوئی حق نہ ہو۔ کیا شادی کرنے سے بچوں پر سے ماں کا حق ختم ہو جاتا ہے؟

ندیم صاحب نے تاسف سے کہا، یہ باتیں آئینے میں خود کو دیکھ کر کہو۔ تمہارے منہ سے ماں باپ کے حقوق کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔

کیوں میں نے کیا کیا ہے؟ اگر اتنی محبت تھی تو جا کر اپنے ماں باپ کے ساتھ رہ لیتے۔ کیا میں نے پیروں میں زنجیریں باندھی تھیں؟

ندیم صاحب ان کا منہ تکتے رہ گئے۔

شائستہ بانو کو محسوس ہوا کہ دروازے پر کوئی کھڑا ہے۔ وہ چھوٹا بیٹا فہیم تھا۔

اماں جیسے آپ نے اور ابا نے اپنا آشیانہ الگ بسایا تھا، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ مزید اس گھر میں نہیں رہ سکتا۔ آپ سے ملنے آتا رہوں گا۔

فہیم ان کا لاڈلا تھا، بیوی کو لے کر الگ ہو گیا۔ شروع میں روز ملنے آتا تھا پھر آہستہ آہستہ آنا جانا کم کر دیا۔ شائستہ لاڈلے بیٹے کی شکل دیکھنے کو ترس گئیں۔ فون کرتیں تو چھٹی کے دن آنے کا وعدہ کر کے بھی نہ آتا۔ ایک بیٹا ملک سے باہر اور دوسرا اسی شہر میں رہ کر نظروں سے دور تھا۔

بڑی بہو گرچہ خدمت کرتی تھی لیکن انہیں اس سے خاص لگاؤ نہیں تھا۔ پوتے پوتی دادی کی ماں سے بدسلوکی دیکھتے تھے۔

پھر جیسے دنیا کی ریت ہے، ندیم صاحب بھی ایک روز دارِ فانی چھوڑ گئے۔ اب شائستہ بانو تنہا رہ

گئیں۔ گھر کا نظام بڑے بیٹے اور بہو کے ہاتھ میں آ گیا— وقت کی بساط پلٹ گئی۔ کمزور طاقتور اور طاقتور کمزور ہو چکا تھا۔

تینوں بیٹے الگ رہتے تھے لیکن ماں کو رکھنے پر کوئی تیار نہیں تھا۔ چھوٹی بہو میں ان کو ہو بہو اپنی تصویر نظر آتی تھی۔

منجھلا بیٹا وطن واپس آ چکا تھا۔ بھائیوں نے طے کیا کہ اماں ہر بیٹے کے گھر ایک مہینہ رہیں گی اس طرح ان کی ذمہ داری سب میں برابر تقسیم ہو جائے گی اور کسی پر بوجھ نہیں پڑے گا۔

چھوٹی بہو نے صاف انکار کر دیا۔ منجھلی نے گھر چھوٹا ہونے کا بہانہ کیا جس پر بڑی بہو تلملا کر رہ گئی۔ طے یہی ہوا کہ اماں سب کے گھر ایک ایک مہینہ رہیں گی۔ شائستہ بانو بے بسی سے اپنی تقسیم دیکھ رہی تھیں۔

بڑی بہو اور پوتے خوش تھے کہ دادی جانے والی ہیں۔ ایک کہتا تھا کہ دادی کا کمرا میں لوں گا، دوسرا کہتا تھا کہ میں دادی کے ساتھ سوتا ہوں اس لئے یہ میرا کمرا ہے۔

مہینہ پورا ہو گیا تھا۔ سامان بیگ میں رکھ کر منجھلے بیٹے کے گھر پہنچیں تو معلوم ہوا کہ ان کے لئے اسٹور روم خالی کیا گیا ہے۔

شکایت بھری نظروں سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا، بیٹا! اسٹور میں تو اضافی سامان رکھا جاتا ہے۔

اماں ! بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ وہ کمرے میں کسی اور کی موجودگی سے پریشان ہوتے ہیں اور پڑھائی کا بھی حرج ہوتا ہے۔ آپ گھر کی بڑی ہیں۔ یہ کمرا سردی اور گرمی دونوں لحاظ سے اچھا ہے۔ آپ یہاں آرام سے رہیں گی اور بچوں کے شور سے نیند خراب نہیں ہو گی۔

وقت کی بیلٹ انہیں وہ سارے مناظر دکھا رہی تھی جو کئی سالوں پہلے بیت چکے تھے۔

چند روز میں بہو کے بیگانے رویے سے گھبرا گئیں۔ اللہ اللہ کر کے مہینہ گزرا۔ اب فہیم کے گھر جانا تھا۔ وہاں چھوٹی بہو نے جینا دوبھر کر دیا۔ بات بات پر شوہر سے شکایت کرتی۔ وہ ماں سے گلہ کرتا اور ماں بے بسی کی تصویر بنی رہ جاتی۔ شائستہ نے تنگ آ کر بڑے بیٹے کو فون کیا کہ بہو جس طرح چاہے مجھے رکھے، میں تمہارے گھر کے علاوہ کہیں اور نہیں رہنا چاہتی۔ انہیں یقین تھا کہ ساری عمر بڑی بہو کے ساتھ رہی ہیں، وہ ان کا کچھ لحاظ کرے گی۔

شکیل اماں کو گھر لایا تو معلوم ہوا کہ بڑی بہو

نے ان کا کمرا بڑے پوتے کو دے دیا ہے اور ان کی چارپائی صحن میں بچھا دی ہے۔ ساتھ میں پنکھا رکھ دیا ہے۔

کہاں وہ اے سی والا کمرا اور کہاں یہ صحن۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ شکیل بیوی کی زبان بولتا تھا۔ کس سے فریاد کرتیں ۔ بہت کوشش کرتیں کہ بیٹا کسی طرح ان کی بات سن لے لیکن بہو اسے ماں کے پاس اکیلے بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ پوتے پوتی بھی انجان رہتے تھے۔

یہ مکافاتِ عمل تھا۔ یہی سب انہوں نے اپنے ساس سسر کے ساتھ کیا تھا۔ شوہر کو ساس کے پاس بیٹھنے اور سسر کو گھر میں رہنے نہیں دیا۔ اقتدار نے ان کو اندھا کر دیا تھا۔

شائستہ بانو ایک کردار ہے جس نے مختلف روپ میں خود سے وابستہ لوگوں کی حق تلفی کی اور انہیں تکلیف پہنچائی۔ سوال یہ ہے کہ انہوں نے یہ سب کہاں سے سیکھا اور یہ عادتیں ان کے اندر کیسے منتقل ہوئیں—؟

فرد انفرادی نظر آتا ہے مگر وہ اجتماعیت کی تصویر ہے۔اس کے اندرماں باپ اور ماحول کا شعور موجود ہے۔ ایک بچے کی غلط تربیت سے آنے والی نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

آدمی جو بیج بوتا ہے، اسی کا پھل کھاتا ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ آج کے بچے کل کے ماں باپ ہیں۔ یہ ادل بدل نظام کا حصہ ہے۔ جو سلوک ہم اپنے بڑوں سے روا رکھتے ہیں، وہی سلوک جزا کے طور پر اپنے بچوں کے ہاتھوں کل ہم پر مسلط ہو گا۔

قدسیہ انہیں آوازیں دے رہی تھی لیکن ماضی کی فلم بار بار آنکھوں کے سامنے سے گزر جاتی۔ زندگی کے باقی دن انہیں، اس فلم کو دیکھتے ہوئے بسر کرنے تھے۔

کیا پہاڑ کو سر کرنا ضروری ہے؟

آدمی مقصد سے واقف ہو اور جان لے کہ وہ یہ کام کیوں کر رہا ہے پھر راستے میں آنے والی رکاوٹ، رکاوٹ نہیں رہتی۔ اسے راستہ، منزل کے سامنے، چھوٹا نظر آتا ہے۔ کہاوت ہے، راستے میں پہاڑ آ جائے تو خود سے سوال کرو کہ کیا اس پہاڑ کو سر کرنا ضروری ہے۔ اگر ضروری ہے تو آس پاس راستہ تلاش کرو۔ راستہ نہ ملے تو پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ اگر چڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر سرنگ کھود دو۔

سرورق کی تشریح

تحقیق و تلاش (سائنس) کو مادے کے پسِ پردہ جس حقیقت کی تلاش ہے، قرآن کریم نے اسے "ماء" کہا ہے۔ محقق اور مترجمین نے "ماء" کا ترجمہ پانی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کے ایٹموں کے تعامل سے بنا ہے۔ باطنی علوم کے ماہرین "ماء" کا ترجمہ پانی نہیں کرتے کیوں کہ ان کو علم ہے کہ یہ تخلیقی قانون کی ایک اصطلاح ہے۔ اصطلاح کا مفہوم اور تعریف بیان کی جاسکتی ہے، کسی اور زبان میں اس کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے کتاب "لوح و قلم" میں فرمایا ہے،

"ماء عربی میں مثبیت کو کہتے ہیں جو کائنات کی بنیادیں ہیں۔ اس ہی کا نام عالمِ امر ہے۔"

قلندر بابا اولیاؒ امر کی تعریف میں فرماتے ہیں،

"امر وہ مرحلہ ہے جس میں نزول ہے۔ نزول کے معانی ہیں خلا میں تصورات کا داخل ہونا۔ جو اطلاعات خلا میں داخل ہوتی ہیں، تصورات کہلاتی ہیں۔ ان تصورات کو اللہ تعالیٰ نے "ماء" کا نام دیا ہے۔ دراصل پانی تصورات کا خول ہے یا وہ ایسے جوہروں کا مجموعہ ہے جس میں ہر جوہر تصور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ہے پانی کی ماہیت۔ پانی کے خواص یہ ہیں کہ وہ پھول میں جاکر پھول بن جاتا ہے، کانٹے میں جاکر کانٹا بن جاتا ہے۔ پتھر میں جاکر پتھر بن جاتا ہے۔ سونے میں جاکر سونا بن جاتا ہے اور ہیرے میں جاکر ہیرا بن جاتا ہے۔"

پانی تصورات ہیں اور تصورات کا خول بھی ہے۔ ہر تصور کی کوئی شکل ہے اور ہر تصور اپنی شکل کے مطابق خول میں داخل ہوتا ہے۔ پٹرول کے خول میں پٹرول کے تصورات داخل ہوتے ہیں اور گندھک کے خول میں گندھک کے۔ گلاب کے خول میں چنبیلی کے ذرّات داخل نہیں ہوتے اور چنبیلی کے خول میں کنول کا پھول نہیں ہوتا۔ خول اور تصورات دونوں کسی فارمولے پر قائم ہیں اور غور کیا جائے تو خول خود بھی ایک تصور ہے۔ بادل کا خول بادل اور پہاڑ کا خول، پہاڑ کا تصور ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے، ”اللہ تعالیٰ نے ہر زندہ شے پانی سے پیدا کی ہے۔“ (الانبیآء : ۳۰)

پانی ہر تخلیق کا جوہر ہے۔ یہ جس ڈائی میں جاتا ہے اور جس اسکرین پر بکھرتا ہے، اس کے مطابق صورت اختیار کر لیتا ہے۔ زمین پر رنگ رنگ روئیدگی پیدا ہونا اس کی مثال ہے۔

دیکھا جائے تو تصورات + خول = پانی ایک طرح سے prism کا کام کر رہے ہیں۔ پانی ایک ہے لیکن جب وہ زمین کی طرح منشور (prism) میں سے گزرتا ہے تو رنگ رنگ عجائبات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

جنوری کا سرورق اس مظہر کی عکاسی ہے۔

واضح رہے کہ صعودی کیفیت میں پانی کی شکل وہ نہیں ہے جو نزولی کیفیت میں ہے۔ بارش برسنے سے پہلے پانی روشنی کی شکل میں ہے، روشنی سے پہلے اس کی ہیئت اور ہے۔ کائنات میں جو بوقلمونی ہمیں نظر آتی ہے، اس کا مظاہرہ ”ماء“ کے ذریعے ہو رہا ہے۔

(محمد عاصم۔ کراچی)

ہر شے کا کوئی نام ہے جو شے کے ظاہر کی پہچان کے لئے ہے۔ جب ہم پانی کہتے ہیں تو پانی کا نام ذہن میں آتے ہی ایک شکل سامنے آتی ہے جس میں زندگی یا حیات ہے۔ کائنات میں رنگینی کا مظاہرہ پانی کے ذریعے ہو رہا ہے۔ اسی میں سے رنگ ظاہر ہوتے ہیں اور رنگوں کا باطن روشنی ہے۔ یوں پانی جو ظاہر میں نظر آتا ہے، اس کا باطن بھی روشنی ہے۔ کائنات میں ہر شے متحرک ہے۔ حرکت کے ایک رخ میں تغیر ہے، دوسرا رخ ساکن ہے — ساکن سے مراد یہ ہے کہ شعور اس رخ میں حرکت کو کسی طرح سے بیان نہیں کر سکتا۔ پانی کی مقداروں سے شکلیں وجود میں آتی ہیں جن کے ہم نے نام رکھ لئے ہیں۔ ہر نوع ظاہر میں الگ لیکن باطن میں پانی ہے۔ (پروفیسر محمد طاہر۔ چنیوٹ)

ماء(پانی) ایسا مظہر ہے جو زندگی کو رواں رکھنے کی علامت ہے۔ اللہ نے اسے تخلیقی عنصر قرار دیا ہے۔

"جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کی نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے ہواؤں کی گردش میں، اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں۔" (البقرۃ: ۱۶۴)

(عدنان نذیر۔ اٹک)

خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو صفات سے آراستہ کیا ہے اور دوسری مخلوق کے لئے نفع بخش بنایا ہے۔ ان میں پانی اہمیت کا حامل ہے جس پر مادی جسم کا دارومدار ہے۔ پانی اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق ہے جس میں دیگر مخلوقات کے خدوخال، رنگ اور پیمانے ہیں۔

"اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی، پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کئے۔ پھر ان سے تہ بر تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کئے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔" (الانعام: ۹۹)

پانی وہ شے ہے جس میں زمین کے ہر رنگ میں ڈھل جانے کی صلاحیت ہے۔ ہم پانی کو مختلف روپ میں ڈھل جانے کے بعد دیکھتے ہیں۔ پانی کی اصل شکل کیا ہے، ہمیں علم نہیں ہے۔ بادل سے برسنے والا پانی بھی پانی کی ایک صفت ہے جو بادل سے گزر کر ظاہر ہو رہی ہے۔ بادل میں داخل ہونے سے پہلے پانی کی صورت کیا ہے، وہی لوگ جانتے ہیں جن کو اللہ نے اولی الالباب فرمایا ہے۔

(آمنہ بیگم۔ کراچی)

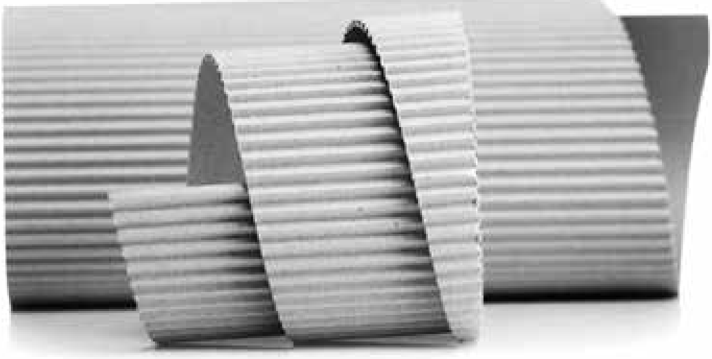

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

PRIME PACK INDUSTRIES

C-21, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و مستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا میلان ماورائی علوم کی طرف تھا۔ اس نے پی ایچ ڈی مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان قرطاس پر ظاہر ہونے کی منتظر تھی۔ ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ردا کو شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا بجر و لال سامنے آیا اور ردا کی پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ نیلم کے ذریعے ردا کی بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ شہزادے اور اس کے ساتھیوں کے ہم زاد کو شیطانی چیلوں سے آزاد کروانے کے لئے تمہارا انتخاب ہوا ہے۔ ردا ملاقات کے بعد گھر جا رہی تھی کہ راستے میں حادثہ پیش آیا۔ نیلم کو کم چوٹیں آئیں لیکن ردا کوما میں چلی گئی۔ اسپتال میں اس کے اندر سے روشنی کا پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے ہزاروں سال پہلے کے تبت میں لے گیا۔ یہاں ایک پہاڑ پر بنی عبادت گاہ مسکن قرار پائی۔ ردا سے پہلے عبادت گاہ میں بزرگ خاتون رہتی تھیں جو شہزادے کے علاج کے لئے محل گئی ہوئی تھیں۔ علاقے میں شیطانی قوتوں کو ردا کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے مشکلات کھڑی کیں لیکن قدرت ردا کی حفاظت کر رہی تھی۔ شہزادہ صحت یاب ہوا اور بزرگ ماں محل سے لوٹ آئیں۔ شہزادہ ان کی تلاش میں پہاڑ کی چوٹی پر بنی عبادت گاہ پہنچا ـــــ وہ وہاں سے جا چکی تھیں۔

لچھاوی کی بیٹی باگیاوتی جانتی تھی کہ جے ونت بزرگ خاتون کی تلاش میں ہے اور جس راستے پر جا رہا ہے، وہ سیدھا نالندہ کو جاتا ہے۔ وہ خاموشی سے اس کا پیچھا کرتی رہی۔

دوسری طرف کاہو کا ہم زاد جوبی پہاڑ کی عبادت گاہ سے نالندہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

راستے میں اسے جے ونت دکھائی دیا تو وہ ٹھٹک گیا۔ اس کے قریب راہو کا ہم زاد نظر آیا جو جے ونت کی نظروں سے اوجھل تھا۔ بزرگ خاتون نے اسے مہاتل نامی جن کی قید سے آزاد کیا تھا اور اب وہ ان کا وفادار بن گیا تھا۔ وہ اسے اپنے ہمراہ نالندہ لے آئی تھیں۔

راہو شہزادے کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کررہا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شہزادے کو نہیں جانتا۔ اس سے پہلے کہ وہ راہو کو اس عمل سے روکتا ، راہو تصرف کرکے شہزادے کے ذہن کی اس سطح کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوگیا جہاں سمتوں کا تعین ہوتا ہے۔ نتیجے میں شہزادہ مشرق اور شمال کا تعین نہ کرسکا۔ ساتھ ہی راہو نے نوک دار لکڑی شہزادے کے گھوڑے کو چبھوئی، وہ بدک گیا۔ جنگل میں سمتوں کا پتہ نہیں چلتا، جے ونت بھٹک کر کہاں سے کہاں نکل گیا۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند

دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

کاہو چاہتا تھا کہ شہزادہ بزرگ خاتون سے مل لے مگر ایسا نہ ہوسکا۔ راہو کی نظر اس پر پڑی تو بولا، یہاں کیا کررہے ہو—؟

کاہو نے فکر مندی سے کہا، تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیا تم اسے جانتے ہو؟

نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا، میں نہیں جانتا۔ یہ مکتب کی طرف جارہا تھا۔ اس کا وہاں سے کوئی لینا دینا نہیں اسی لئے بھگادیا۔ تم کیوں فکر مند ہو؟

کاہو نے خاموشی اختیار کرلی کہ ممکن ہے بزرگ خاتون نے ہی ایسا چاہا ہو۔

سورج دی اشنائیوں کی کچھ ملیا نیلوفر نوں

اڈ اڈ موئے چکور محمدؔ، خبر نہ یار قمر نوں

اچی جائی نیئوں لگایا، بنی مصیبت بھاری

یاراں باہجھ محمد بخشاؔ کون کرے غمخواری

مفہوم: نیلوفر (کنول کا پھول) سورج کی محبت میں اس وقت تک پنکھڑیاں نہیں کھولتا جب تک سورج کی کرنیں اس پر نہ پڑیں۔ نتیجے میں سورج سے اسے کیا کچھ نہیں ملتا۔ چکور کو چاند سے عشق ہے ، چاندنی راتوں میں چاند کی سمت پرواز کی کوشش کرتا ہے۔ اس کوشش میں بعض اوقات اس کی موت واقع ہوجاتی ہے اور چاند کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ میرے محبوب کا مقام بھی چاند اور سورج کی طرح بلند ہے۔ اس مقام کی وجہ سے مجھ پر بہت بوجھ پڑ گیا ہے مگر میرے درد کا درماں صرف محبوب کے پاس ہے۔

جے ونت اس راہ میں نیا تھا۔ بھٹکنا، سنبھلنا پھر منزل سے جڑ جانا اس راہ کا اسلوب ہے۔ عشق کی تو ابتدا ہی سر کی بازی سے ہوتی ہے۔

جاں جاں عشق نہ ساڑے تینوں

تاں تاں نبھے نہ یاری

جب تک عشق کی آگ جلا کر بھسم نہیں کر دیتی۔ عشق کا منشا پورا نہیں ہوتا۔ یہ وہ راہ ہے

جس کی منزل آسانی سے نہیں ملتی۔

باگیاوتی نے لچھاوی تک اطلاع پہنچادی تھی کہ بزرگ خاتون نالندہ میں ہیں۔ لچھاوی چوٹ کھائی ہوئی تھی، خبر ملتے ہی جے ونت کے چچا راجا پدل کے پاس پہنچی۔ راجا نالندہ یونیورسٹی پر حملہ کرنے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھا کیوں کہ عوام میں اس ادارے کا بہت احترام تھا۔ مشاورت سے طے پایا کہ شر پسندوں کا گروہ تیار کیا جائے گا جو بزرگ خاتون اور ان کے ہمدردوں کو ختم کر دے گا۔ اس کی ذمہ داری حسبِ معمول لچھاوی کو سونپی گئی۔ وہ ان کاموں میں ماہر تھی۔

لچھاوی اپنے دشمنوں کی موت سے کم، کسی بات پر تیار نہیں تھی۔ ناکامی کے بعد زیادہ شدت سے حملہ آور ہوتی تھی۔ وہ زخمی درندے کی مانند سازش میں مصروف ہوگئی۔ نالندہ یونیورسٹی کی مخالفت کرنے والوں کو تیار کیا کہ جھوٹا واقعہ گھڑیں اور لوگوں میں یہ بات پھیلائیں کہ نالندہ میں تعلیم کے پردے میں منفی سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ معزول کئے جانے والے مہتمم صلصال سے بھی مدد لینے کی کوشش کی مگر وہ بزرگ خاتون کی طاقت دیکھ چکا تھا، براہِ راست مدد سے معذرت کرلی البتہ وہاں کی ساری معلومات اور سرگرمیوں کی خبر لچھاوی کو دے دی۔

نالندہ کے موجودہ مہتمم چنشو جانتے تھے کہ صلصال کبھی نہ کبھی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ خدشہ درست ثابت ہوا— تاریک راتوں میں سازشوں کے جال بُنے جارہے تھے۔ اس مرتبہ لچھاوی ضرورت سے زیادہ محتاط تھی۔ وہ دندان کی موت کا بدلا لینے کے لئے انتقام کی آگ میں جھلس رہی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ یہ وار خالی جائے۔ حملے کی بھرپور تیاری کی گئی۔ منصوبے کے مطابق جھوٹا الزام عائد کیا گیا اور پہلے مرحلے میں نائب کو نشانہ بنایا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مکتب کی ضرورت کی تمام خریداری وہی کرتا تھا اور اس کا بازار آنا جانا رہتا تھا۔ باقی تمام افراد اجازت کے بنا مکتب کی حدود سے نہیں نکلتے تھے۔ لچھاوی نے کارروائی خفیہ رکھی۔ کاہو بھی اس سازش سے واقف نہ ہو سکا۔

نفرت کی آگ میں جلنے کی وجہ سے لچھاوی ضمیر کی آواز سننے سے قاصر تھی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

”اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ ان کے لئے شدید عذاب ہے۔“

(البقرۃ : ۷)

کاہو کی بیوی اور بیٹا بزرگ خاتون کے پاس پہنچ

چکے تھے۔ ان کی توجہ مکتب کے طلبہ کی تربیت پر تھی۔ شاگرد فرماں برداری کی مثال تھے پھر استاد کی شفقت کیسے کم ہو سکتی تھی۔ وہ تندہی سے اپنے کام میں مگن تھیں۔

دسمبر کی سرد راتوں کے آخری پہر میں جب لوگوں پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے، بزرگ خاتون ہرن کی کھال کے مرگ چھالے پر براجمان استغراقی کیفیت میں کائنات کے اسرار میں گم تھیں۔ کاہو راہو کے ہمراہ اہرامی شکل کے چھپر (جھونپڑے) میں داخل ہوا۔ حالات سے آگاہ کرنا ضروری تھا اس لئے بے وقت آنے کی جسارت کی۔

اس سے پہلے کہ راہو ان کو مخاطب کرتا، ان کی آواز نے دونوں کو ساکن کر دیا — کاہو! خبر دینے میں دیر کیوں ہوئی؟

کاہو پر ہیبت سوار تھی۔ وہ لرزتے ہوئے بولا، ماں! لچھاوی نے منصوبہ بہت خفیہ رکھا۔

وہ تم سے طاقتور کب سے ہو گئی کاہو؟

راہو تو ان کو کتنی دیر روک سکتا ہے رے؟

ماں روشنی پھیلنے سے پہلے تک۔

ٹھیک ہے تو جا! ہم سے دھرمارا جیکا کی راہ میں ملنا، ہم وہیں جائیں گے۔

اس اثنا میں چنشو ہانپتے ہوئے آئے، بزرگ ماں! غضب ہونے جا رہا ہے۔ وہ بڑی تعداد میں ہیں، ایک ہاتھ میں مشعل اور دوسرے ہاتھ میں آتش گیر مادہ ہے۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا،

”لکھے کو کون ٹال سکتا ہے! لوگوں کو عمارت سے بحفاظت نکالیں۔ کوشش کریں کہ عورتیں اور بچے پہلے نکلیں۔ مشرق کی سمت سفر کرنا بہتر ہے، کھانے اور رہنے کا ٹھکانا میسر آ جائے گا۔ راجا پدل کا وقت قریب ہے اس کے بعد نالندہ کو دوبارہ آباد کرنا ہو گا۔ اب جائیں۔ وقت کم ہے۔ صبر اور ضبط کے ساتھ آگے بڑھیں۔“

چنشو روانہ ہوئے تو بزرگ خاتون کاہو کے ہمراہ چھپر سے نکل آئیں اور گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔ کاہو کچھ کہنا چاہتا تھا، وہ بیٹے اور بیوی کی طرف سے پریشان تھا۔ اس کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے بولیں، پریشان نہ ہو، چنشو ان کا خیال رکھیں گے۔

بزرگ خاتون کے الفاظ ضمانت تھے۔

وہ مطمئن ہو گیا۔ انہوں نے اسے چنشو کی مدد کے لئے روانہ کیا اور دھرمارا جیکا کے راستے میں ملنے کا کہا۔ خود اپنے استاد کی طرف سے ملنے والے شائیر نسل کے دیو قامت سفید گھوڑے پر سوار ہو گئیں۔

حملہ آوروں کی تعداد زیادہ تھی اور بزرگ خاتون کے لئے ان کو تتر بتر کرنا مسئلہ نہیں تھا لیکن حالات ایسے بن گئے تھے کہ لڑائی کے نتیجے میں لچھاوی کو تعصب کو ہوا دینے کا موقع مل جاتا جس سے بہت نقصان کا اندیشہ تھا۔

چنشو معاملے کی گہرائی سمجھ کر بزرگ خاتون کے حکم پر وہاں سے نکل آئے۔ صرف ان طلبہ کو پیچھے چھوڑ دیا جو حملہ آوروں سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ بہترین تدبیر سے نالندہ کو خالی کیا گیا کہ شیطانی قوتیں دھوکے میں رہ گئیں۔

دوسری طرف راہو حملہ آوروں کے سرغنہ کے سر پر سوار ہو کر بار بار اسے بھٹکا دیتا۔ کبھی ان کی مشعلیں بجھا دیتا، کبھی سمتوں کے تعین میں شک میں ڈال دیتا اور کبھی جنگل میں شہد کے چھتّوں پر بیٹھی مکھیوں کو بھڑکا دیتا گویا راہ میں روڑے اٹکاتا رہا۔ جب کاہو نے اطلاع دی کہ اب انہیں آنے دو تو وہ راستے سے ہٹ گیا۔

حملہ آوروں نے وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کیا تو نالندہ میں رہ جانے والوں نے بھی انہیں خوب بے وقوف بنایا۔ شور شرابا اور چیخ پکار کر کے ایسی جگہوں کو خود آگ لگادی جہاں منصوبہ بے نقاب ہونے کا خطرہ تھا اور یہ ظاہر کیا کہ جتنے لوگ تھے، وہ آگ میں جل گئے ہیں۔ پھر باقاعدہ جھڑپ کر کے سرکردہ لوگوں کو ختم کیا۔ جب آگ نے مکتب کو گھیر لیا تو پیچھے رہ جانے والے طلبہ طے شدہ راستے سے نکل گئے اور حملہ آور سمجھے کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔

لچھاوی نے عبادت گاہ میں جھانکنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہی۔ دور دور تک خبر پہنچی کہ نالندہ کی درس گاہ راکھ ہو گئی ہے، کوئی نہیں بچا۔ لچھاوی کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا کہ برسوں کی کوششیں رنگ لے آئیں مگر دل کے نہاں خانے میں یہ خیال بھی سر اٹھا رہا تھا کہ بزرگ خاتون جیسی طاقتور شخصیت اتنی آسانی سے کیسے ختم ہو گئیں۔ مگر اطلاع دینے والوں نے ایسا نقشہ کھینچا کہ وہ یقین کرنے پر مجبور ہو گئی۔

میں عبادت گاہ میں موجود تھی۔ کاہو کا ہم زاد پوری داستان سنا کر میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ دھرما راجیکا جانے سے پہلے جوبی پہاڑ پر مجھ سے الوداعی ملاقات کرنے آیا تھا۔

دوسرا دن طلوع ہو چکا تھا۔ چنشو عبادت گاہ سے منسلک تمام لوگوں کے ہمراہ اس مقام تک پہنچ چکے تھے جو بے انتہا شاداب تھا۔ عورتیں اور بچے بھوک اور تھکن سے چُور تھے۔ جلدی میں

نکلتے ہوئے جان بچائی جاسکتی تھی لہٰذا ضروری سامان کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔

اس علاقے میں جھرنے اور تالاب ٹراؤٹ مچھلیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ سیب، ناشپاتی، خوبانی، آلو بخارے، آڑو، املوک، انجیر، شہتوت کے پھل دار درختوں کے ساتھ خشک میوہ جات اخروٹ، بادام، چلغوزے اور غیر معروف پھلوں کی بھی بہتات تھی۔ گویا یہ جگہ غذا اور رہائش کے لئے موزوں تھی۔

چنشو کے ساتھ آنے والے وہ طلبہ جو جھونپڑا سازی میں ماہر تھے، اوزاروں کے تھیلے جو آسانی سے اٹھاسکتے تھے، ساتھ لائے تھے۔ چند لوگوں نے بوائی اور کھیت کھلیان سے متعلق اوزار بھی رکھ لئے تھے۔ چنشو نے طلبہ کو گروپوں میں تقسیم کرکے کام تفویض کئے۔ خواتین کو کھانے کی تیاری کا کام سونپا گیا۔ کسی کو جھونپڑے بنانے کا کام دیا گیا۔ کسی کو زمین کی تیاری کی ذمہ داری ملی، کسی کو وضع قطع تبدیل کر کے بازار روانہ کیا۔ چند لوگوں کو یاک (تبت کی جنگلی گائے) کے زندہ شکار پر روانہ کیا تاکہ دودھ کی ترسیل ممکن ہو۔ قصہ مختصر چنشو کی دانش مندی سے چند روز میں جنگل بہترین رہائش گاہ میں تبدیل ہوگیا۔ مشکلات پیش آئیں مگر پھر راحت کا وہ انتظام ہوا کہ تکالیف پسِ پردہ چلی گئیں۔

شہزادہ میلوں میل سفر کرتے ہوئے کہیں کا کہیں جانکلا۔ حال سے بیگانہ لوگوں سے نالندہ کا پتہ پوچھتا پھرتا۔ پرانے وقتوں میں زندگی سادہ تھی۔ ہر فرد محدود معلومات رکھتا تھا جو زیادہ تر سنی سنائی ہوتی تھیں۔ گاؤں گوٹھوں میں چند لوگ ایسے ضرور ہوتے تھے جن کو گاؤں والے دانا سمجھتے تھے اور مشورہ کرتے تھے۔

ایسے ہی کسی دانا کے پاس شہزادے کو لے جایا گیا جس نے ترس کھا کر گرد وغبار میں اٹے جسم اور بھوک پیاس سے بے حال وجود کے نہانے اور کھانے پینے کا انتظام کیا۔ اس کی دور اندیش نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ یہ کسی اونچے خاندان کا چشم وچراغ ہے۔

شہزادہ نالندہ کے علاوہ کچھ سننے پر راضی نہیں تھا۔ دانا شخص نے اس شرط پر مدد کا وعدہ کیا کہ پہلے شہزادہ اپنی حالت درست کرے۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اس طرح کی دیوانگی کیوں ہوتی ہے۔ نالندہ کے جلنے کی خبر اس گاؤں تک پہنچ چکی تھی لہٰذا وہ جانتا تھا کہ وہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں بچا، شہزادے کو یہ خبر ملے گی تو ممکن ہے وہ برداشت نہ کرسکے۔ (قسط: ۳۲)

خواب تعبیر اور مشورہ

کارِ خیر

غلام سردار، کراچی: باغ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ بزرگ کو کام میں مصروف دیکھا۔ میں والدہ کے ساتھ تھا۔ ہم قریب گئے تو دیکھا کہ وہ گلاب کے پودے لگا رہے ہیں۔ ہم نے سلام کیا۔ شفقت سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آؤ، تم بھی لگاؤ اور کارِ خیر میں شامل ہو جاؤ۔ یہ فرما کر وہ کہیں تشریف لے گئے۔

تعبیر: خواب مبارک ہے۔ انشاء اللہ والدہ اور آپ کو فیض حاصل ہو گا۔ نماز میں پڑھی جانے والی سورتوں کا ترجمہ یاد کیجئے تاکہ نماز میں یکسوئی قائم ہو۔ قرآن کریم کے معانی و مفہوم پر غور کیجئے۔ سلسلہ کے اسباق میں کوتاہی نہ ہو۔ چلتے پھرتے یاحی یاقیوم کا ورد جاری رکھئے اور صدقہ و خیرات کرتے رہئے۔

گلاب کے پودے لگانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر آپ نے سلسلہ کے اسباق اور قواعد و ضوابط پر صدقِ دل سے عمل کیا تو خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی رحمت سے روحانی مشن کی ترویج میں آپ کی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے، آمین۔

ب۔ ح ــــ تعبیر: کائنات دائرے میں بند ہے۔ جتنے ہندسے آپ نے دیکھے ہیں، ہر ہندسہ اصل میں دائرہ ہے۔ یہ دائرہ (سرکل) قرآن کریم کے مطابق تخلیق کا فارمولا ہے۔ لاشعور نے آپ کو متوجہ کیا ہے کہ دنیا عارضی ہے۔ دنیا ایک ایسا میکانزم ہے جو چار زاویوں میں پھیلا ہوا ہے۔ ہر زاویہ دنیا ہے۔ رات دن، چاند سورج اور ساری کائنات میں جتنی مخلوق ہیں سب کا عارضی طور پر چھپنا ظاہر ہونا زندگی ہے۔ ابتدا کا مطلب یہ ہے کہ غیب سے کوئی چیز ظاہر ہونا اور آخر یہ ہے کہ چیزوں کا نظروں سے اوجھل ہو جانا (ختم ہونا نہیں)۔ دن میں جب بھی یاد آئے، یاحی یاقیوم کو شمار کئے بغیر پڑھئے۔ مراقبہ میں پابندی کیجئے۔ دین و دنیا میں کامیابی عطا ہو گی، انشاء اللہ۔

ہم آہنگی

کنول، فیصل آباد: کافی عرصے سے خواب میں کفن اور بغیر کفن کے لاشیں نظر آتی ہیں۔ میں ان کے قریب کھڑی ہوں۔ کوشش ہوتی ہے کہ لاش کے چہرے پر نظر نہ پڑے۔ نظر پڑ جائے تو دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔ شکل خوفناک ہوتی ہے۔ کئی دفعہ خواب میں شوہر کو دیکھا مگر انہیں اجنبی سمجھا۔ چوں کہ بچے قریب ہوتے ہیں لہٰذا کہیں نہ کہیں بات ذہن میں ہوتی ہے کہ یہ ہمارے بچے ہیں۔ منظر تبدیل ہوا اور میں سوچ رہی تھی کہ حالات کس طرح بہتر ہوں گے۔

تعبیر: خواب میں بیماریاں، بسیارخوری اور بازار کے غیر معیاری کھانوں کے استعمال کی طرف اشارہ ہے۔ ڈاکٹر سے پورا چیک اپ کروانا چاہئے خصوصاً زنانی بیماریوں سے متعلق۔ چکنائی اور بازار کے کھانوں سے پرہیز کیجئے۔ غذا میں اعتدال اور احتیاط کے ساتھ ورزش ضروری ہے۔ خواب میں علامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ میاں بیوی میں ہم آہنگی نہیں ہے اور دونوں کا رویہ غلط ہے۔ اختلافات بہت ہیں۔ کوئی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک ضد چھوڑ دے تو دوسرا فریق بھی رویے پر نظر ثانی کرے گا اور زندگی اچھی گزرے گی، انشاء اللہ۔

ٹوہ اور غیبت

شہر یار، حیدر آباد: گہرے رنگ کے کپڑے پہنے روشن چہرہ ایک صاحب نظر آئے۔ میرے ساتھ کئی لوگ تھے۔ ہم قطار میں ان کے سامنے سے گزرے۔ ان کے ہاتھ میں کاغذ تھا جس پر تحریر لکھی ہوئی تھی۔ دیکھنے کی کوشش کی تو قطار آگے بڑھ گئی اور میں پیچھے رہ گیا۔

تعبیر: خیالی پلاؤ بنانے میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ ٹوہ میں رہنا اور غیبت کرنا اچھی عادت نہیں۔ غیبت ہو جائے تو جا کر وضو کیجئے۔ وضو نہیں کر سکتے تو کلی کر لیجئے مگر غیبت مت کیجئے۔ وقت اللہ کی نعمت ہے، اس کی قدر کرنی چاہئے۔ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا، پشیمانی رہ جاتی ہے۔ خیالی پلاؤ بنانے کے بجائے اچھی کتابوں کا مطالعہ ذہنی اور جسمانی صحت کے لئے مفید ہے۔

شیر

سلیمان، میرپور خاص۔ ریتیلے میدان میں بیگم کے ساتھ تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ جب ہوا رکتی تو نہ جانے کہاں سے درندوں کے دہاڑنے کی آوازیں آتیں۔ شیر تھے یا تیندوے، آواز میں تفریق نہیں کر سکا۔ بیگم کو شیر نظر آئے جو

حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے بھگانے کی کوشش کی۔ ان کے بھاگتے ہی بیگم بھی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

تعبیر: بینائی کی کمزوری کی نشاندہی ہے۔ ماہرِ امراضِ چشم کو دکھایئے۔ شیر کو بھگانے میں کامیابی بیگم کے اوجھل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ علاج سے نظر کی کمزوری دور ہو جائے گی۔

اقصیٰ، وہاڑی — تعبیر: بہت مبارک خواب ہے۔ خاتم النبیین رسول اللہ ؐ کی زیارت بڑے نصیب کی بات ہے، بہت مبارک ہو۔ یہ درود شریف کی برکت ہے۔ اسے جاری رکھئے۔

وقت کا ایثار

سلمیٰ شعیب، شہر کا نام نہیں لکھا: کئی لوگ ساتھ ہیں۔ ہم کہیں جا رہے ہیں۔ میں تھکن کی وجہ سے ایک جگہ کچھ دیر کے لئے بیٹھ جاتی ہوں۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہاں کوئی ہے۔ آواز دے کر پوچھتی ہوں — کون ہے۔ بزرگ نظر آتے ہیں جو کچھ لکھنے میں مصروف ہیں۔ مصروف دیکھ کر واپس جانے لگی تو انہوں نے مجھے آواز دی۔

تعبیر: آپ روحانی علوم سیکھنے کے شوق میں سلسلہ میں داخل ہوئیں مگر شوق کی تکمیل کے لئے تقاضوں کو اہمیت نہیں دی۔ دنیا کا کون سا علم ہے جو یکسوئی اور وقت کے ایثار کے بغیر سیکھا جا سکتا ہے —؟ لوگ بیعت ہونے کا شوق رکھتے ہیں لیکن اسباق کی پابندی اور سلسلہ کے قواعد و ضوابط پر عمل کی طرف دھیان نہیں ہے۔ سلسلہ بندے کو عرفانِ الٰہی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ لاشعور نے متوجہ کیا ہے کہ علم سیکھنے کی قدروں کو پورا کرنا ضروری ہے۔

سنہری شہر

ارم ناز، لاہور: غیبی آواز آئی اور کچھ الفاظ نظر آئے۔ مجھے ایک لفظ کا انتخاب کرنا تھا۔ میں نے جس لفظ پر ہاتھ رکھا، منظر تبدیل ہو گیا۔ ایک شہر روشن ہوا جس میں لوگوں سے لے کر پرندے اور درختوں تک ہر شے سنہری تھی۔ دوبارہ آواز آئی اور بتایا گیا کہ تمہیں اس شہر پر حکومت بخشی گئی ہے۔ مسرت کی انتہا نہیں تھی۔ مجھے شہر کے مضافات میں رہائش عنایت کی گئی ۔ شہر کی سیر کے دوران کچھ لوگ نظر آئے۔ ان کو اپنا گھر دکھانے لے گئی تو ان میں سے ایک نے کہا یہ گھر اچھا نہیں ہے۔ مجھے اس کی بات پسند نہیں آئی۔ فوراً کہا، یہی گھر اچھا ہے کیوں کہ یہ غیبی عنایت ہے۔ میں اسی میں رہوں گی۔

تعبیر: درج ذیل نکات تفکر طلب ہیں۔

ا۔ ذہن کا میلان دنیاوی چکاچوند کی طرف ہے جو علمِ روحانیت کے منافی ہے۔

۲۔ روحانی علوم سے متعلق ایسی امیدیں قائم کرلی ہیں جن میں دکھاوا اور شہرت کے خاکے نظر آتے ہیں۔

اس راہ میں وہ بندے قبول کئے جاتے ہیں جو صرف کیئر آف اللہ سوچتے ہیں۔ کیئر آف اللہ طرزِ فکر کے حامل بندوں میں دنیا کی اہمیت اتنی ہوتی ہے جیسے مسافر ریل میں بیٹھتا ہے اور اتر جاتا ہے۔ ریل میں بیٹھنے والا اترتا ضرور ہے اور جو اترتا ہے، وہ اس ریل میں دوبارہ نہیں بیٹھتا۔ آپ کو بصیرت حاصل کرنے اور راضی برضا رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ روحانی علوم کو دنیا طلبی کی نیت سے سیکھنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔

جامن

رخشندہ، امریکا: ہم جامن کے درخت کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ کالے رنگ کا موٹا سانپ نظر آیا، مارنے کے لئے بڑھے تو غائب ہوگیا۔ بہت تلاش کیا مگر ناکامی ہوئی۔ بیٹھے ہی تھے کہ اچانک سانپ نظر آیا۔ جیسے ہی مارنے لگے تو کسی نے کہا، مارنا نہیں یہ پالتو ہے۔ سانپ درخت کے اندر جاتا ہوا دکھائی دیا۔ روکنے کی کوشش کی اور مارنا چاہا تو جس نے پہلی مرتبہ روکا تھا، اس نے پھر کہا، اسے مت مارو، یہ گھر کا پلا ہوا ہے۔

تعبیر: گھر میں اختلافات بہت ہیں۔ بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ آپس میں اونچی آواز میں بات نہ کریں اور رنجشیں ختم کریں۔ اختلاف کالے رنگ کا موٹا ناگ ہے۔ اس کے زہر کے نتائج کتنے خطرناک ہیں، گھر والوں کو احساس ہونا چاہئے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔" (اٰل عمرٰن: ۱۰۳)

"تفرقہ" خاردار درخت کے سوا کچھ نہیں۔ بدپرہیزی کے بھی اشارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو "تفرقہ" سے محفوظ رکھے، آمین۔

سبز دوپٹہ

روشانے افتخار، پشاور۔ خواب میں دیکھا کہ خاتم النبیینؐ کے روضہ پر حاضر ہوں۔ دروازہ شیشے کا ہے۔ اندر کچھ لوگ غلاف تبدیل کر رہے ہیں۔ میں اندر جانا چاہتی تھی لیکن ان لوگوں نے اشارہ کیا کہ بعد میں آؤ۔ منظر تبدیل ہوا۔ روضۂ مبارکؐ کے قریب دعا مانگتے ہوئے رو رہی تھی۔ میرے سر پر دوپٹہ نہیں تھا۔ اجنبی خاتون وہاں

سے گزریں، ان کے پاس کچھ دوپٹے تھے جس میں سے سبز دوپٹہ میری طرف بڑھایا۔ میں نے گھر والوں کو زیارت نصیب ہونے کی دعا کی۔ پھر منظر تبدیل ہوا۔ میں خانہ کعبہ کے قریب تھی۔ کھانا تقسیم ہو رہا تھا۔ میں نے بھی کھایا، بہت لذیذ تھا۔ ایک کمرے میں سنگھار کا سامان تھا۔ اس میں سے کچھ چیزیں اپنی امی کے لئے لیں۔ ایک اجنبی خاتون نے مجھ سے کوئی سوال کیا جس کا جواب دے کر میں باہر آئی تو بھائی نظر آیا جو وہاں موجود لوگوں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ امی بھی اس کے ساتھ تھیں۔ ان کو سنگھار کی چیزیں دیں۔ نظر سامنے کی طرف گئی تو خود کو خانہ کعبہ کے قریب دیکھا۔ خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں آنے کی دوبارہ سعادت عطا فرمائے۔

تعبیر: الحمدللہ خواب نہایت مبارک ہے۔ خاتم النبیین رسول اللہؐ کے دربارِ اقدس میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوگی، انشاء اللہ۔ آپ کو مبارک ہو۔ درود شریف پڑھتی رہیے۔ وقت مقرر کر کے کتاب ''محمد رسول اللہؐ، جلد اول'' کا مطالعہ کیجئے۔ محبوب رب العالمین رسول کریمؐ کا

ماہنامہ قلندر شعور مارچ 2022ء

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:............................ والدہ صاحبہ کا نام: ....

پورا پتہ:...

ازدواجی حیثیت:.................... وزن (تقریباً): .... آنکھوں کا رنگ....................

نیند کیسی آتی ہے:.................... بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):.................... تاریخ پیدائش:....................

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.................... فون نمبر....................

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : ....

....

ذکر خیر و برکت کا وسیلہ ہے۔

پرہیز

ش ۔ ب، کراچی: دروازے پر آہٹ ہوئی۔ دروازہ کھولا تو گائے تھی جو گھر کے اندر آنا چاہتی تھی۔ دروازہ بند کیا، وہ چلی گئی جس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ خواب میں کئی دفعہ گھر میں بچے بھی نظر آتے ہیں۔ ایک دفعہ شوہر اور بیٹی نے گھر میں کالی چیز دیکھی۔

تعبیر: غیر معیاری غذاؤں کی وجہ سے جگر اور نظامِ ہضم میں خرابی ہو سکتی ہے۔ اچھے معالج کو دکھا کر ضروری ٹیسٹ کروایئے۔ کھانوں میں بدپرہیزی ہوتی ہے، مسالے اور چکنائی کا استعمال زیادہ ہے۔ برتن صاف نہیں دھلتے، آگے پیچھے کناروں پر چکنائی رہ جاتی ہے اور جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ برتن دھونے کے بعد دھوپ میں سکھانے چاہئیں۔ گھر میں صفائی کا معیار ناقص ہے۔ بازار کے کھانے زیادہ کھائے جاتے ہیں جن میں نمک زیادہ ہوتا ہے۔ آپ نے بازار کے کھانے کھا کر گھر میں بیماریوں کو دعوت دی ہے۔

حال اور مقام

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں ـــ حال کو حال اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بدلتا رہتا ہے اور مقام کو مقام اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جگہ پر قائم اور برقرار رہتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز جو کبھی حال ہوتی ہے، رفتہ رفتہ مقام بن جاتی ہے۔

مثال: ایک بندۂ حق کے دل میں محاسبہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر نفسانی صفات کے غلبے سے یہ جذبہ دور ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ جذبہ کبھی پیدا ہوتا اور کبھی زائل ہوتا رہتا ہے۔ یوں یہ شخص محاسبہ کے حال میں رہتا ہے جو نفسانی خواہشات کے غلبے سے بدلتا رہتا ہے ـــ یہاں تک کہ جب توفیقِ خداوندی اس کے شاملِ حال ہوتی ہے تو محاسبہ غالب اور نفس مغلوب ہو جاتا ہے۔ اس وقت محاسبہ اس کا مستقل وطن اور مقام بن جاتا ہے اور وہ محاسبہ کے مقام میں آجاتا ہے۔ اس سے پہلے وہ محاسبہ کے حال (یعنی بدلتی ہوئی کیفیت) میں تھا۔

(کتاب: عوارف المعارف)

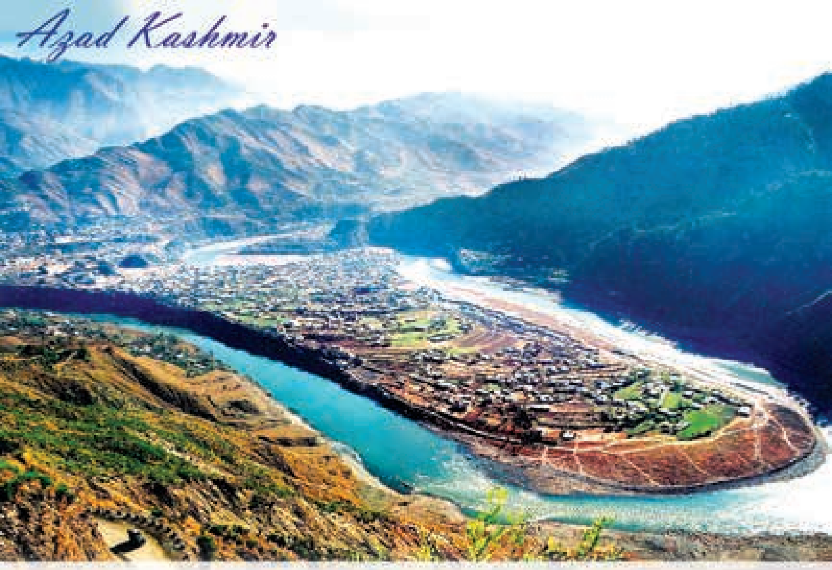

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +92582244194-5 Fax No: +92582242587

Email:sangamhotel@hotmail.com

REGISTER NOW

”ماہنامہ قلندر شعور“ آن لائن مطالعے کی سہولت حاصل کریں

”ماہنامہ قلندر شعور“ ڈیجیٹل ایڈیشن کی سبسکرپشن حاصل کرنے کے لئے ہماری ویب سائٹ پر موجود فارم پُر کر کے رجسٹریشن کے مراحل مکمل کیجئے۔

رجسٹریشن کے بعد آپ بآسانی ”ماہنامہ قلندر شعور“ کا مطالعہ آن لائن کر سکتے ہیں۔

https://qalandarshaoormonthly.online/

+92(0)2136912020
+92(0)3054435207
Info@qalandarshaoormonthly.online

of the black colour, my own identity vanishes. How do I then recognise myself in the rest of colours?” Bhola’s confusion was at its peak.

The passerby said, “There is a colourful ribbon on everyone’s arm that tells them apart. If the head is removed, one is unable to tell one body from the other easily. All of us are different, yet, we are one. If we come across any member of the world of birds, plants, animals, mountains, jinn, and angels, we are able to distinguish between them. Because all of us are different, yet the same at the same time. When we talk about ourselves, we take the help of the colours and become different.”

Bhola said, “People think that I am partially insane.”

“That is because they do not see that you are full of wisdom too.” the passerby replied.

Rather sad, Bhola said, “I have visited many places, but could not find Karachi. I am also not aware of myself, so I have tied a black ribbon to my arm.”

The passerby said, “You have worn another colour over all these colours. Remove all the colours that you have worn, first!”

He asked, “How can we remove the colours?”

The passerby said, “When we search for the truth among pieces, these pieces become our identity. You are in Karachi, but you are not able to find it. If you look for Karachi in its zones you will never find it. Just like, if you look for yourself in the parts of your body, you will never be able to find yourself.” He then further added, “Consider all the zones as Karachi and every part of your body as you. If you look in multiplicity, you will get lost. However, looking in the direction of oneness helps one find the universe and your jugular vein too.”

❁ ❁ ❁

Grow Your Wings

In the dead of night, a Sufi
wept.

“This world like a coffin,
sealed and shut in which we
are kept.

Our ignorance leading our
lives to folly, and desola-
tion.

When death knocks open the
coffin lid,

Those with wings soar far
off into Eternity,

While those without, remain
in their caskets, locked.

Friends! Before the lid of the
coffin is lifted,

Strive, to be the bird of the
Path to God.

Strive, to grow your wings,
and feathers.”

— Hazrat Fariduddin Attar (RA)

It was Bhola, he was in a state of bewilderment and kept staring at the face of the passerby, then at the black ribbon that was tied on the stranger's arm, and thereafter, the black ribbon tied on his own arms. Bhola was very upset, wondering how this was possible. He was the one who wore the black ribbon. How was it possible that there was another person who also wore a black ribbon?

He asked the passerby, "Who are you and who am I? If you are me, then who am I? Are we both the same? If we are one, then why are we two of us?"

The passerby was also in search of the hidden truth. He was surprised to hear such profound questions from a seemingly insane person, and asked, "Who is it that you refer to as 'I'?"

"That is Me. The one with the black ribbon." Bhola's voice was filled with conviction.

The passerby said, "If that is you, then why are you doubtful about yourself?"

"Because you are also wearing a black ribbon," Bhola replied.

"Is the black ribbon your identification?" the passerby asked.

Bhola nodded his head as if to say "Yes".

The passerby pointed towards Bhola's hand and asked, "What is this?"

Bhola did not understand the question, but replied anyhow, "It is my hand."

Smiling, the passerby proceeded to point towards Bhola's clothes and asked, "What is this?"

Bhola answered, "These are my clothes."

"And what is this?" He further asked.

"It is my head," said Bhola.

"And what's this?"

"These are my ears," replied Bhola.

The passerby then enquired about the rest of Bhola's features and eventually asked about his feet.

Bhola replied confused, "These are my feet."

The passerby then queried again, "Where are you in all of them? You have not said even once that it is you. Rather, you said that these are your arms, hands, ears, and feet. This is correct, however, where is the one to whom all these parts belong?"

Surprised, Bhola looked at his body and thought that he was the one on whose arm the black ribbon was tied for identification. He hesitantly communicated the same to the passerby, "I am the one on whose arm the black ribbon is tied."

The passerby said, "It is also tied to my arm. The black colour which is on both of us is the same, but the presence of the other colours is what makes us distinct from each other."

"If we are the same at the level

chi, I want to see Karachi."

❁ ❁ ❁

The train stopped at the crowded platform of Karachi. The passenger sitting next to Bhola took his luggage and got off the train. Bhola observed that all the passengers were leaving the train, however, he did not move. After waiting for a long time, he finally got off the train. While approaching the exit gate of the station, he asked the porter, "Brother, where are we?"

"This is Cantt Station," replied the porter.

"But I have to go to Karachi and this is Cantt Station. It appears that the train has arrived at the wrong destination," he mumbled.

He ran towards the platform and sat inside the train again. When the janitorial staff tried to exit him out forcefully, he screamed and objected, "I want to go to Karachi."

"You are in Karachi. This is Karachi." They all tried to tell him.

"No, this is not Karachi. I want to go to Karachi. I want to go to Karachi." He screamed again.

It dawned on them that he may be insane. To put an end to the situation at hand, they said to him, "When you exit the gate of the station, you will reach Karachi." And with this, they managed to convince him to alight the train. Bhola came out of the station and after a while of roaming around aimlessly, he reached I. I. Chundrigar Road and there he sat on the stool outside a restaurant for a cup of tea.

When the management of the restaurant realised that he might be insane, they served him a cup of tea out of compassion. While sipping on his tea, he looked around and said, "There is a lot of rush in Karachi and the weather is too hot here."

While cleaning the table, the waiter informed him that I. I. Chundrigar Road was a famous commerce route and that it was crowded throughout the day. When Bhola heard this, he was taken aback. He felt that the railway staff had lied to him, "I am not in Karachi, I am on I. I. Chandrigar Road," he murmured to himself.

In a month, he had seen Nazimabad, Nagan, Saddar, Clifton, Tariq Road, and many other areas, but had not found Karachi. Even today, he was tired with all the walking and had laid down on the footpath and soon fell asleep. Bhola always had the fear of getting lost, and to his dismay, this fear worsened and he thought he was actually lost when he could not find Karachi even after searching for an entire month.

Meanwhile, a passerby sat on the footpath next to him. After some time, the passerby felt someone's gaze upon him. He looked around and saw that a seemingly insane person sitting on his right-hand side was staring at him without blinking his eyes.

i

Karachi is a City with Motherly Qualities

Bhola always had the fear of getting lost, and to his dismay, this fear worsened and he thought he was actually lost when he could not find Karachi even after searching for an entire month.

The sunrays fell upon Bhola, and woke him from his sleep. The partially insane Bhola opened his eyes and saw the black ribbon that was tied around his arm and heaved a sigh of relief. He was now sure that he was not lost and that the same Bhola who had gone to sleep had just woken up. He could not identify himself, and hence, the black ribbon helped him in self-recognition.

He had been resting on a roadside. Now that he was awake, he stood up, looked at the coins and notes given to him by the passerby, and put them in his pocket without counting. Giving a cursory look at the moving traffic, he rubbed his eyes and crossed the road. There was a tea stall across the street. Sitting on a chair, he asked the waiter to serve him some tea. The waiter observed the appearance of Bhola rather keenly, and then quietly presented him with tea.

Sipping on his tea, Bhola fixed his attention on the moving cars. Then randomly, he picked up a leftover *paratha* (pan fried bread) from the table next to him and ate it – someone had left it half-eaten. Having done with his breakfast, he headed in the direction of a building that looked rather ancient. Outside the building was a crowd of people and cars. Walking swiftly, he joined the crowd. It was a railway station. Seeing people boarding the train, he followed suit and sat in one of the coaches. After some time, the whistle blew, and the train moved gradually on its track.

He asked the passenger sitting next to him, "Where are all these people going?"

The passenger replied, "Karachi."

"What is Karachi?" Bhola asked.

The passenger realised that Bhola was not completely sane and that he had boarded the train without having any understanding of his action.

However, the question from Bhola ignited the passenger's memories, and his eyes sparkled as he thought of his native city. He answered, "Karachi is a city with the qualities of a mother, and it welcomes all its visitors and offers them employment."

Out of sheer excitement, Bhola said, "I too want to see Karachi. I also want to go there."

"This train is going towards Karachi," the passenger told Bhola. But Bhola was not listening anymore, and was repeating in excitement, "I want to see Kara-

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

soul.

Ameer Khusrau's (RA) heart blossomed. He bowed down and completed the verse:

تاکس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

Translation: So that no one can say that you and I are different.

Regarding the initiation of the Urdu language, Raj Kumar Hardev narrates in his book '*Nizam-i-bansuri'*:

"In an evening gathering, Hazrat Nizamuddin (RA) called me, Khwaja Hassan Sanjri, Hazrat Ameer Khusrau, Khwaja Syed Muhammad, Khwaja Syed Musa, his sister's grandson Syed Rafiuddin Haroon, and my three relatives Sanbhal Dev, Cheetal Dev, and Sateel Dev. When we all gathered, he said, 'You all should sit together and compose a language that the people of the Indian subcontinent and foreigners who come here can speak, and they can use it for general and business interactions. Khwaja Syed Muhammad and Ameer Khusrau are music experts; they should write poems that can be sung easily.' In short, he instructed this to everyone present there."

In this way, Urdu was introduced by the disciples of Sultan al-Mashaikh Nizamuddin Auliya (RA). It is written in the footnote of *Nizam-i-Bansuri*:

"The language known as Urdu in present times was initially known as *Hindvi*. This is because the book '*Khaliq-e-Bari*' written by Ameer Khusrau upon the instructions of Nizamuddin Auliya (RA), contains the word 'Hindi' in numerous places."

A few days before his passing, Khwaja Nizamuddin Auliya (RA) had decreased his food intake. His helper said to him, "I have brought fish soup." To which he replied, "You separated the fish from its waters. And I am about to be separated from this world and return to the place from where I have come. At this time, I cannot eat this fish. Go and put it back into the water."

He declared Khwaja Nasiruddin Chiragh Dehlvi (RA) as his successor, and instructed him:

"Keep feeding people; our elders have regarded giving food, secrecy, and steadfastness above everything else. That is, to feed, to keep what happens within you a secret, and to follow your elders with steadfastness. I had requested my master in his special state to pray for my steadfastness, and today I pray for the resoluteness of you all."

The royal physician was sent for treatment, but Nizamuddin Auliya (RA) said, "There is no cure for the one who is lovesick, except for the sight of the Beloved." (*Nizam-i-Bansuri*)

a melodious voice. He then said,

"The farmer fetch water from the well and waters the dry fields. In the same way, we should also remember God with our each breath. Remember God when you inhale and exhale and believe that every breath that comes out in His remembrance waters the dry fields."

A rumour circulated that after invading many lands, the Mughal troops were on their way towards Delhi. At that time, Delhi was under the rule of Sultan Alauddin Khilji. He sent a letter to Hazrat Nizamuddin (RA) through his successor Khusr Khan and Ameer Khusrau (RA):

"The Mughals are in large numbers and have besieged Delhi. They have gained courage because of their repeated invasions. Although our troops are ready and we will exert full force, we rely on God's help and this is dependent on your prayers."

Upon reading the letter, Khwaja Nizamuddin Auliya (RA) smiled and said, "Tell the Sultan to stay content as the Mughals will retreat tomorrow."

The following morning, the news spread widely that the besiegement had ended as not a single Mughal soldier was seen on the outskirts of the city. The sultan sent gifts and a letter that said:

"We are surprised that they left without any obvious reason."

Sultan al-Mashaikh, Nizamuddin Auliya (RA) replied,

"Tell Sultan Alauddin that God Almighty has made him a watchman for the protection of His people. When the watchman has a hard time, the watchman's Master comes to the rescue."

Once, during *Basant* (a festival that marks the start of spring), Ameer Khusrau (RA) brought flowers for his master. Learning that Hazrat Nizamuddin (RA) had gone somewhere, he went there too. Sultan al-Mashaikh saw the flowers, smiled, and asked, "What is it?"

Ameer Khusrau put the flowers at his master's feet and said,

عرب یار توری بسنت منائی

Sometime later, he asked Ameer Khusrau (RA), "Will you go home or come along with me?"

Ameer Khusrau (RA) replied, "Poor Khusrau has not slept for many nights with the hope that he would lay his eyes on his master's feet and fall asleep."

The master replied, "If anyone tried to separate me from my companion even with a sword laid at my forehead, I would not give up his companionship." He then said,

من تو شدم تو من شدی

من تن شدم تو جاں شدی

Translation: You and I are one.

I am your body, and you are my

God for their relief, I must live through those stories as if they were my own, failing which, my prayers will not be accepted. A person who lives in such pain all through the day and night cannot enjoy the pleasures of this world."

Two disciples of Hazrat Nizamuddin (RA), Rajkumar Hardev, and Syed Muhammad were discussing *Zaat* (being) and *Sifaat* (attributes). When they went to meet Hazrat Nizamuddin (RA), he said to his successor, Nasiruddin Chiragh Dehlvi (RA),

"*Attributes* purely belong to the *being*. We do not consider the *attributes* as something separate from the *being*."

Nasiruddin Chiragh Dehlvi (RA) then recited a few verses of his poem. Upon hearing the verses, his master said, "The poem that Nasiruddin has narrated contains good examples. We do not have enough time to think about the beliefs of people. Instead, we are gripped by the beauty of how a river is captured in a bubble, and there is no room for anything except love in Nasiruddin's heart. I am in him, and he is in me, like the fragrance of a rose is inside and outside of it. Though the fragrance is not separate from the rose, it is separate from it. A line drawn in mathematics is both useful and useless. A letter written in a book is loud as well as silent. We cry due to the pains in this world and laugh with the pleasures. Little do we realise that this happiness and sadness is like a child crying and smiling while it is asleep, when in reality,it is neither crying nor laughing."

He then turned to Rajkumar Hardev and said,

"Hardev! The real thing is the knowledge of one's self. We become so busy striving to know the outside that we forget our inner selves. We are both authoritative and powerless at the same time. We are present and formless. Nasir has rightly said so; we are useful as well as useless. Hardev! All the splendour, light, and manifestations are of only One Being."

Hazrat Nizamuddin (RA) was on his way to the shrine of Hazrat Khwaja Bakhtiar Kaki (RA). He passed through a field where the cattle were busy assisting the farmer in drawing water from the well. The farmer sang out in Hindi,

باره لائیو رام منائیو

Turning towards Ameer Khusrau (RA) and Syed Muhammad, Hazrat Nizamuddin (RA) asked, "Do you understand Hindi? Do you know what the farmer is saying?"

They replied, "He is saying, draw the water and please God."

He then visited the shrine, offered prayers, and said to his disciples, "Say! It is through the remembrance of God that one's heart finds peace."

Everyone started reciting this in

dom child who was playing around them and said, “Bring me a brick.”

The child went and fetched a good brick. He then said, “Bring one more brick for Nizamuddin.” The child brought a good brick for him as well. He then asked the child to get one more brick, this time for Yousuf. The child handed him a broken brick. Showing the brick to Yousuf, Hazrat Faridud-din (RA) said, “See! You only get what is destined for you.”

Khwaja Nizamuddin Auliya (RA) is also known as ‘*Sultan al-Mashaikh*’ and ‘*Mehboob-e-Elahi*’. Following his master’s orders, Khwaja Nizamuddin Auliya (RA) returned to Delhi and spread the teachings of the Sufi order far and wide. The circle of disciples grew fast, and whoever came to them with whatever their purpose, returned fulfilled.

Once, three people visited Khwaja Nizamuddin Auliya (RA). Of them, two had come intending to test his capabilities and assess if he was indeed a true friend of God or not. In addition to this, they also wanted to check if he could read their thoughts. The first person wished in his heart for food and silver, while the second person silently expressed his desire for clothes. The third person, however, advised them both to not test holy people.

When they met Hazrat Nizamuddin (RA), a man walked in with a tray containing food, silver, and clothes. Hazrat Nizamuddin (RA) ordered him to offer the food and silver to the first person and the clothes to the second person. He then turned to the third person and said, “You preferred to not test your elders. You are on the right path.” He then gave him presents too and bid them farewell.

Hazrat Nizamuddin Auliya (RA) once fell ill. Given his illness, his disciples, including Rajkumar Hardev and Ameer Khusrau (RA), decided to narrate a story to distract him from his ailment. The master permitted them and said, “Narrate any event that made you sorrowful.” When everyone finished their stories, Hazrat Nizamuddin (RA) recounted an event himself:

“A stranger once came to me and said, ‘You are the luckiest person on earth. You receive blessings that are not even granted to kings. An ordinary man is always in distress, but you are free from all kinds of worries. Be it food, clothes, shelter, and helpers, you have all the providence available at your doorstep.’

When I heard this, I began to sob. I said to him that people give me all of this because they are in distress and hope to get relief through my prayers. Likewise, if fifty people come to me each day, I must listen to fifty stories of hardship and adversity. When I pray to

Sultan al-Mashaikh Mehboob-e-Elahi (RA)

"The farmer fetch water from the well and waters the dry fields. In the same way, we should also remember God with each breath. Remember God when you inhale and exhale and believe that every breath that comes out in His remembrance waters the dry fields."

The ancestors of Hazrat Nizamuddin Auliya (RA) migrated from Bukhara to Lahore and then settled in Budaun, and it is here that he was born. He was named Syed Muhammad by his father, Syed Ahmad (RA), and mother, Bibi Zulaikha (RA).

When Hazrat Nizamuddin Auliya (RA) was five years old, his father passed away. His mother raised her children by sewing clothes. Bibi Zulaikha (RA) is known to be amongst the friends of God. On the days when her family had no food to eat, she said, "Tonight, we are the guests of God," and by the mercy of God, on all such days, they found that food was arranged for them.

When Hazrat Nizamuddin Auliya (RA) completed his education, his mother asked him to apply to be a judge. The position was vacant as the previous judge had passed away. She advised him to receive guidance from Sheikh Najeebuddin Mutawakkil (RA). Following his mother's advice, Hazrat Nizamuddin (RA) approached Sheikh Najeebuddin Mutawakkil (RA), but instead of asking him to make a recommendation for him, he said, "Please pray that I get appointed as a judge."

To this Najeebuddin Mutawakkil (RA) replied, "Do not become a judge, be something else. Approach my brother, Fariduddin Ganj Shakar (RA) in Ajhodan (Pakpattan)."

Hazrat Nizamuddin Auliya (RA) took permission from his mother and set off for Ajhodan. As soon as Hazrat Fariduddin (RA) saw him, he stood up, hugged him, and said,

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

"The fire of your separation
has burnt hearts.
The desire for you has ruined
many lives."

He then spoke to one of his disciples, Badruddin Ishaq, and said, "You are from Delhi, and so is Nizamuddin. Host him and teach him the conducts of discipleship."

When Khwaja Nizamuddin (RA) was given the successorship by Hazrat Fariduddin (RA), one of his disciples by the name Yousuf, objected and asked him why a stranger was blessed so early in comparison to him who had served for 12 years. It is said that there was a pile of bricks in front of the disciple. Hazrat Fariduddin (RA) summoned a ran-

through the void – light is waves. If there was no void in the body, how would the waves circulate through it and how would one's existence be maintained? If the waves stop circulating in the void, the structure of the body would collapse, and over time there would be no sign of it.

Law: The more solid an object appears, the more the void within it.

The spiritual eye sees large holes in every brick and large caves in the mountains. When they look at mountains, it seems as though they are floating like clouds. That is to say that the mountain that looks solid has innumerable voids within it, and it is these voids that have held this voluminous mountain.

Respected friends, in the "Message of The Day", we have elaborated upon connection, distance, and void. Everything visible at a distance is due to the connection between sight and an object. Think! What is "distance" then?

May God protect you.

Excerpt from Sharah Loh-o-Qalam

The more one becomes conscious in this world, and gets absorbed in the things that are in their environment, the more the nature and reality of those things begin to reveal upon them. This infers that the universal programme is integrated inside human observations. However, one does not get the opportunity to observe this integrated programme as they are not able to empty their minds from the influence of the environment. The law then is that the extent to which humans focus their consciousness in any direction is the extent to which reality reveals itself on them.

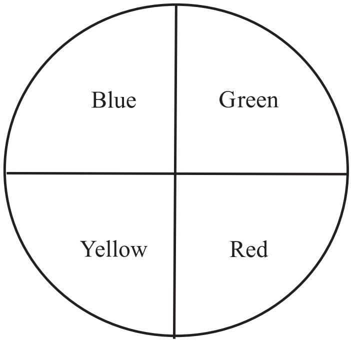

Both heaven and earth seem to be two different entities, however, their base is *Noor*. In the existing state of creations as individuals, the universe is comprised of dimensions (distance), however, on the other side which is dominated by *Noor*, these distances are absent. Due to the absence of distance, mankind is unable to see *Noor*; though it dominates everything and is the source of connection between all creatures. We are unaware of the mechanism of the connection within the universe, and hence, this ignorance has become the distance.

Distance is vital for the consciousness; else the identification of things will not be possible. However, it is also mandatory for the consciousness to be aware of the foundation of everything and the connection that is between them. When awareness is achieved, individuality becomes secondary and the ability to travel through time is activated. Ears, eyes, noses, cheeks, and lips are the salient features of the face; we see each of these features separate from one another due to the distance between them. If this distance were to disappear, the features would vanish too.

Dear readers, let us know what is of importance then, the features or the distance?

Answer: ………..…………………….?

When we look at the wall, there is a void between us and the wall. We see the void and through it, we see the wall, due to this we are overpowered by limitedness. The other aspect of this is that sight has the ability to subdue distance and reach the other end, however, this ability is being expressed unintentionally at the moment. The subconscious measures the space between the wall and the individual in such a way that, the light of the wall neither remains separated from the mind nor does it enter the surface of the mind. This is the very reason why we are able to see the wall. The light retains individuality while scattering on the screen of the mind. If this does not happen then it is worthy to contemplate the existence of a person and a wall.

• • ———— ? ———— • •

The body is sustained due to the void (distance). Light travels

speaketh to mankind in allegories, for God is Knower of all things." (Quran, 24:35)

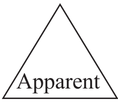

The niche, the flame, the lamp, the pearl, the star – are all the structures of bodies. The lamp shimmering like the stars is the effect of the carbon that is present within the body and is also the mechanism of movement in the conscious world. It is worthy to note that the stars shimmer and their glow continuously shrinks and expands; in this way, the process of diminishing and growth is sustained. The star is a metaphoric representation of the garment of the creatures. The distance is created due to the shrinking and expansion of the garment. Every creation is earth (space) made out of a blend of colours and lights, and every earth is a star.

"And whatsoever He hath created for you in the earth of diverse hues, lo! therein is indeed a portent for people who take heed." (Quran, 16:13)

There is oil within a seed, and the seed turns into a tree. When oil is extracted from the tree, the wood is reduced to sawdust and the leaves crumble. There is carbon in the oil and the characteristic of carbon is that it aids combustion. When something burns, it emits smoke and smoke is a dense entity. Due to the density, the light which is the base of everything is subdued and the dimensions become predominant; as a result, boundaries are formed and distance begins to dominate. Contrary to this, in the subtle form of things, the dimensions are subdued and the light is dominant. One who is aware of the subtle senses is not trapped in the illusory senses.

Draw a circle and fill it with four different colours, such that the circle is divided into four parts. As the circle is filled with colours, you will notice four triangles. Your sight will now observe the colours instead of the circle. The colours are the triangles. Though there is distance between each triangle, the circle is one from all directions.

The Holy Quran has elaborated on *Noor* (a stage of Divine light), through the example of olive oil. There are no traces of carbon in pure olive oil. When this oil is burnt, the smoke that appears is so subtle that it is not visible and is evenly distributed in all directions. Those things that are the same everywhere, are not visible to those with limited sight. Sight only sees that in which there is change. God Almighty elaborates His words through examples, and what reality is – God Almighty knows.

• • ——————— • •

Message of the Day

Sight observes the void in the sky, the clouds in that void, the presence of water in the clouds, the various colours in the water, the colourful hues of the earth, the vegetation that is upon earth, the subterraneous minerals, and the benefits in the minerals, due to the distance between sight and those objects. If there is no distance, ‘sight’ is unable to *see*. What did you comprehend from this?

Sight sees only after it gauges distance, which means, sight sees what distance sees. If distance ceases to exist, one’s existence comes to an end.

One sees the earth and the sky as different from each other due to the distance that is between them, while in reality there is no such distance because the edges of the earth and sky meet with each other. When we look up at the sky from the earth, at first, we notice the distance between them, and hence, our sight is overpowered by limitedness and is unable to see the sky. This is because the sky is dominated by the attributes of time. Time travels in waves. The 25 years of age covered over the span of 25 years is the dominance of space. The ability to envisage the period of 25 years is a journey through time.

• • ——————— • •

The earth and the sky, day and night, water and clouds, particles and mountains, seeds and trees, life and death, and death and life, all appear as individual entities due to the distance between them. It is the glory of the Almighty God, that He has laid the foundation of the universe on pillars that have distance, and yet, there is no distance between them.

The Creator of the universe has guided us through an example, so that we may understand the system prevalent in the heavens and earth.

> “God is the Light of the heavens and the earth. The similitude of His light is as a niche wherein is a lamp. The lamp is in a glass. The glass is as it were a shining star. (This lamp is) kindled from a blessed tree, an olive neither of the East nor of the West, whose oil would almost glow forth (of itself) though no fire touched it. Light upon light. God guideth unto His light whom He will. And God

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	156
Sultan al-Mashaikh Mehboob-e-Elahi (RA)	Ahsan Nadeem	152
Karachi is a City with Motherly Qualities	Abid Mehmood	146

"Patience is not sitting and waiting, it is foreseeing. It is looking at the thorn and seeing the rose; looking at the night and seeing the day. Lovers are patient and know that the moon needs time to become full."

— Hazrat Shams Tabrezi (RA)

Vol10 Issue2 | March 2022 | Rajab – Shabaan 1443AH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief

Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor

Khwaja Shamsuddin Azeemi

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.100/- Per issue. Annual subscription Rs.1490/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

- Domestic/Commercial Independent solar systems
- Solar Powered Street Lights
- Solar Tube well pumps
- Hybrid solution for Telecom sector/BTS towers
- Large Scale Photo Voltaic plants

SOLAR SOLUTIONS

CCTV

COMMERCIAL

RESIDENTIAL

SAMSUNG alhua TECHNOLOGY

We offer best IT solutions to meet your needs!

Cummins

Power Generation

DIESEL GENERATORS

GUIDELIGHT BUSINESS SOLUTIONS

We Offer Sustainable Solutions...

Jawad Tower, Block-B, 4th Floor, Flat # 6, University Road, Peshawar-Pakistan.Ph# 091-5711454

E-mail: info@gbs.com.pk , azeemi.moon@gmail .com **web:** www.gbs.com.pk

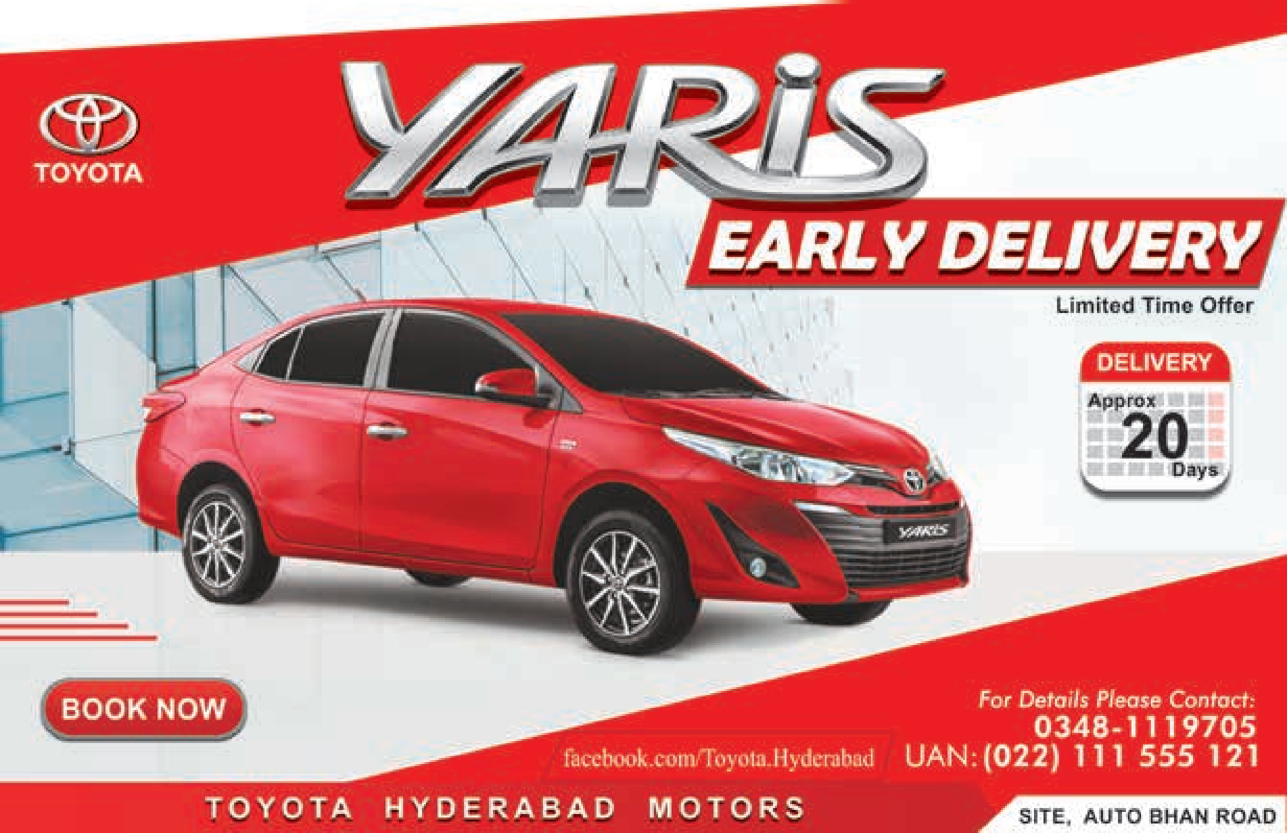
TOYOTA
YARiS
EARLY DELIVERY
Limited Time Offer
DELIVERY
Approx
20
Days
YARiS
BOOK NOW
For Details Please Contact:
0348-1119705
UAN: (022) 111 555 121
facebook.com/Toyota.Hyderabad
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
SITE, AUTO BHAN ROAD